www.Paksociety.com
آبگینے
رخسانہ
نگار عدنان
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
www.paksociety.com
www.Paksociety.com

رخسانہ نگار عدنان

"کیا مصیبت ہے، تم آ کیوں نہیں رہے ہو؟" جھنجلائی ہوئی آواز میرے کانوں میں پڑی اور میرا کافی کے مگ کی طرف جاتا ہاتھ رستے ہی میں ٹھٹک کر رہ گیا۔

"تین گھنٹے ہونے کو آئے۔۔۔ تمہارے انتظامات ہی نہیں ہو رہے؟ پاگل سمجھ رکھا ہے مجھے۔۔ یا الو بنا رہے ہو؟"

لڑکی حد سے زیادہ غصے میں لگ رہی تھی، مگر اس غصے کی شدت میں بھی احتیاط کے دامن کو ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا تھا۔ جھلائی ہوئی غصیلی آواز کا والیوم خاصا پست تھا۔

میں اب گھونٹ گھونٹ کافی پی رہا تھا۔ مگر میرے کان بلکہ میری تمام حسیات اسی کی جانب متوجہ تھیں۔

میں نے صوفے کی پشت سے کچھ اور بھی گردن نکالی، وہ یقیناً ان دونوں کیبن کے بیچ کے جو یہ منقش لکڑی کی آرائشی دیوار تھی اس کے دوسری جانب موجود تھی۔ میرے اندازے کے مطابق اکیلی تھی اور جس نے شاید اسے ڈیٹ پر بلایا تھا۔ لیٹ ہو گیا تھا، یوں اس لڑکی کی ناراضی بجا تھی۔

"ڈھائی گھنٹے کم نہیں ہوتے، دو بار کولڈ ڈرنکس منگوا چکی ہوں۔ تم اس وقت میری کیفیت سے آگاہ نہیں ہو، دونوں کولڈ ڈرنکس گرم ہو چکی ہیں اور چائے

یخ۔۔۔ وہ ویٹر۔۔۔ اسے بھلا کیوں شک نہیں ہو گا۔ میرے آس پاس ہی منڈلا رہا ہے اور اب تو۔۔۔ اب تو رات بھی ہو چکی۔۔۔ پلیز۔" اس کا سارا غصہ ناراضی، خوف، بے بسی اور التجا میں ڈھل رہا تھا۔

میں نے گلاس ونڈو سے نظر آتی سیاہ رات کے اندھیرے کی طرف دیکھا اگرچہ اس روشن جگمگاتی جگہ پر بیٹھ کر رات یا اس نوع کے کسی اندھیرے کو محسوس کرنا خاصا احمقانہ سا خیال ہو سکتا ہے۔ اندر جگ مگ کرتی روشنیاں تھیں۔ پارکنگ میں ایک سے ایک بڑھ کر قیمتی جدید ترین ماڈل کی گاڑی کھڑی تھی اور پارکنگ سے آگے دو رویہ چوڑی سڑک جس پر ایک لمحہ میں ہزاروں گاڑیاں یوں آگے پیچھے رواں دواں تھیں کہ ان کے تسلسل کے بیچ میں ایک پل بھی اندھیرے کا نہیں آتا تھا۔ سڑک پر لگی پول لائٹس اور ان بھاگتی دوڑتی گاڑیوں کی لائٹس کے ہوتے کوئی اندھیر لمحہ یہاں ٹھہر بھی کیسے سکتا تھا۔

مگر ان سب زمینی سچائیوں کی موجودگی کے باوجود۔۔۔ رات شہر میں اتر چکی تھی۔ گھڑی کی چلتی سوئیوں کی محتاج سہی مگر موجود تھی۔

"کتنی دیر اور؟" وہ بے ساختہ چیخ کر بولی تھی۔

"دیکھو، آدھے گھنٹے سے ایک پل بھی زیادہ نہیں۔۔۔ اور تمہیں میری ضد کا علم ہے۔۔۔ میں کیا کر سکتی ہوں، سنا تم نے۔"

شاید اپنی ہی ضد کی انتہا سوچتے ہوئے وہ اپنے اعصاب پر ضبط کھو بیٹھی تھی، ارد گرد سے لاتعلق وہ خاصی بلند

آواز میں بولی تھی۔۔۔

مجھے اب گردن اور کان اس آرائشی بیچ دیوار کے ساتھ لگانے کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ وہ خاصا اونچا بول رہی تھی۔

دوسری جانب اب خاموشی تھی۔ ایک جامد چپ۔ شاید وہ رو رہی ہو، اس خیال نے ہی مجھے بیٹھے بیٹھے بے چین سا کر دیا، مگر کیوں؟ وہ کیوں روئے گی؟ میری بے چینی کلبلا کر بولی۔

"شاید اپنی بے بسی پر۔۔۔ مگر کیسی بے بسی؟ میرا بے اختیار دل چاہا کہ میں اٹھ کر بیچ کے ان تین قدموں کا فصلہ پاٹ کر دوسری طرف اسے دیکھ سکوں کیا واقعی وہ رو رہی ہے، مگر مجھے کیا؟ روئے یا ہنسے۔ میرا اس سے کیا تعلق، میں نے کافی کا خالی مگ ٹیبل پر رکھ دیا۔

ویٹر نے کیبن کے پاس سے گزرتے ہوئے میری طرف دیکھا کہ شاید میں اٹھنے لگا ہوں۔ میں نے سرسری نظر کلائی پہ بندھی گھڑی پر ڈالی۔ ساڑھے نو بجنے میں ابھی آدھا گھنٹہ تھا۔

"نو تو بج چکے ہیں پھر میں فضول میں آدھا گھنٹے مزید بیٹھنے کا کیوں سوچ رہا ہوں؟" مجھے اپنی سوچ پر کچھ حیرانی سی ہوئی۔

میرے پاس اب اس ریسٹورنٹ میں بیٹھے رہنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ میں گھنٹہ بھر پہلے اسنیکس لے چکا تھا اور اس کے بعد مجھے یقین تھا، نیند رات بھر میرے پاس بھی نہیں پھٹکے گی۔ مگر پہلے کون سا وہ مجھے لفٹ کراتی تھی جو میں اس کے نخرے اٹھانے کی خاطر اپنے اس پسندیدہ مشروب سے ہاتھ کھینچ لوں۔

سیما گھر میں نہیں تھی سو اسنیکس کے نام پر میں کھانا بھی کھا چکا تھا۔ گھر جاتے جاتے مجھے دس تو لازمی بج

جانے تھے تو اب مجھے اٹھنا چاہیئے۔ میں نے گھڑی کی رینگتی سوئیوں کو دیکھتے ہوئے خود سے کہا اور بیٹھا رہا۔ کوٹ کی جیب سے سگار کا کرٹن نکالا اور ایک سگار سلگا کر بڑے پر سکون انداز میں پینے لگا، گویا میرا آدھے گھنٹے تک یہاں سے ہلنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔

میں اپنے ہی انداز پر حیران سا ہو رہا تھا مگر خود کو مزاحمت سے تاخیر پا رہا تھا۔

"اتنی خاموشی۔۔۔ کہیں وہ چلی تو نہیں گئی؟" یک بیک مجھے اس جامد سناٹے کا احساس ہوا جو بیچ کی اس دیوار کے دوسری جانب تھا، ورنہ ارد گرد ساری ٹیبلز کے گرد تو وہ شور ہنگامہ اور چہل پہل تھی جیسے ابھی

یہاں دن نکلا ہو اور سچ بھی یہی تھا۔ اس ہوٹل میں رونق کا آغاز ہی رات آٹھ بجے کے بعد ہوتا تھا اور آدھی رات کو اس کی رونق عروج پر ہوتی تھی۔

بس اسی لیے آج کل اس ریسٹورینٹ میں آ رہا تھا کہ اندر کے خوف ناک سناٹے، وحشت بھرے اندھیرے، اس رونق بھری جگہ پر آ کر ذرا دیر کو سہی مجھے اپنے حصار سے آزاد کر دیں اگرچہ یہ بھی ایک سعی لاحاصل تھی۔

اس وقت بلیک آؤٹ فٹ میں لمبا تڑنگا چھریرے بدن کا لڑکا گلے میں سلور موٹی سی چین ڈالے کیڈٹ اسٹائل میں بالکل چھوٹے بالوں کے ساتھ میرے کیبن کے آگے سے گزرا اور میں جیسے گہری نیند سے بیدار ہوا۔

"چلو" اس کی پشت میرے کیبن کی طرف تھی اور وہ دوسری طرف شاید لڑکی سے مخاطب تھا۔

"اتنی دیر۔۔۔" وہ چلائی۔ "اگر مزید دس میٹ۔۔۔" وہ بے پرواہ ہو کر بول رہی تھی شاید بے خوف بھی۔۔
۔۔

"اچھا بس۔۔۔ تمہیں کیا پتا، کتنے مسائل ہوتے ہیں۔ باقی باتیں رستے میں۔ چلو اب۔" وہ کھردری سی آواز میں بولا تھا۔

"کچھ کھاؤ گے نہیں؟" لڑکی کی ٹیون اب مکمل بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔

"رستے میں پیک کروائیں گے۔ وہ انتظار کر رہے ہوں گے گاڑی میں۔۔۔ چلو اب۔" وہ اکتائے ہوئے سے لہجے میں بول رہا تھا۔

"وہ کون؟ کون ہے، گاڑی میں؟" لڑکی جو اس کے پیچھے باہر نکل رہی تھی۔ بدک کر شاید پیچھے ہوتے ہوئے بولی تھی۔

"دوست ہیں میرے۔ گاڑی کہاں تھی میرے پاس۔۔۔ تمہیں معلوم تو ہے تین دن سے ورک شاپ میں کھڑی ہے اور تمہیں بھی سب کچھ۔۔۔ اچھا اب چلو۔ یوں بھی ضرورت تو تھی ہمیں دو تین لوگوں کی اور۔۔۔ چلیں اب۔" وہ اب کے نرم لہجے میں ذرا قائل کرنے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔ لڑکی مجبور تھی یا واقعی قائل ہو گئی۔ دونوں آگے پیچھے باہر نکل گئے۔

لڑکی کا قد پانچ فٹ چار انچ سے بھی نکلتا ہوا لگ رہا تھا۔ میں اس کے چہرے کی جھلک ہی دیکھ سکا تھا۔ سیاہ لباس میں اس کی رنگت اچھی خاصی اجلی لگ رہی تھی۔ میرے کیبن کے آگے سے گزرتے ہوئے مجھے کھڑے دیکھ کر اس نے پلکیں اٹھا کر سرسری سی نگاہ مجھ پر ڈالی تھی۔

اس کی آنکھیں سیاہ تھیں۔ گہری گہری۔۔۔ کیسی؟ مجھے فوری طور پر یاد نہ آ سکا۔

میں نے بل کے پیسے ٹیبل پر رکھے اور ان کے پیچھے ہی باہر نکل آیا۔ وہ دونوں پارکنگ میں کھڑی سینٹرو میں بیٹھ

رہے تھے، دونوں فرنٹ سیٹوں پر بیٹھے تھے، پچھلی سیٹوں پر دو سائے بیٹھے تھے۔

میری گاڑی ان سے ذرا فاصلے پر پارک تھی۔

لڑکی نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے سر پہ اوڑھا ہوا سیاہ دوپٹہ ٹھوڑی کے نیچے سے کھینچ کر ناک تک کر لیا تھا اور اس ایمر جنسی، نقاب، پر ہاتھ رکھ کر گردن ترچھی کر کے بیٹھی تھی۔ پتا نہیں کیوں مجھے کچھ گڑ بڑ سی لگ رہی تھی، حالانکہ بظاہر کچھ ایسا گڑ بڑ والا معاملہ لگتا بھی نہیں تھا، سوائے اس کے کہ وہ دونوں فرینڈز تھے اور شاید اب ڈیٹ پر جا رہے تھے مگر لڑکی کے انداز۔۔ یا تو اس کی یہ پہلی پہلی ڈیٹ تھی یا معاملہ ڈیٹ سے آگے کا تھا۔

بات کچھ بھی تھی۔ میں گاڑی کو سست روی سے ان کے پیچھے ڈالنے سے خود کو روک نہ سکا۔ اگرچہ ان پر ہجوم سڑکوں پر کسی کا تعاقب کرنا ناممکن تھا کہ موڑ پر آنے والے سگنل ایسے کسی ارادے کو باآسانی خاک میں ملا سکتے تھے۔ مگر میں بھی شاید "ٹوکل داٹائم" کے چکر میں ان کے پیچھے لگ گیا تھا۔ اور شومئی قسمت ہر اشارے سے آگے ہم اکٹھے ہی آگے پیچھے روانہ ہوتے رہے چونکہ اس وقت ان سڑکوں پر رش بھی بہت تھا۔ سو کسی کو اس بے ضرر سے تعاقب کا

احساس بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

انہوں نے راستے میں رک کر ایک مشہور فوڈ پوائنٹ سے کھانا پیک کروایا۔ کھانا پیک کروانے کے لیے پچھلی سیٹوں پر بیٹھے دونوں لڑکے ہی اترے تھے۔

اور ان دونوں کو دیکھتے ہی میرا شک یقین میں بدل گیا تھا کہ کوئی سنگین معاملہ ہے۔ لڑکی کا نقاب کچھ اور بھی

منہ پر آ گیا تھا اور اس نے چہرے کا رخ بھی اندر کی جانب کر لیا تھا۔ دونوں لڑکے حلیے اور چہرے مہرے سے قطعاً شریف یا مہذب نہیں لگ رہے تھے۔

اور میں جو پہلے یونہی کچھ تجسس اور کچھ ٹائم پاس کرنے کے چکر میں ان کا پیچھا کرنے لگا تھا۔ اب خاصی دل جمعی اور تھوڑی فکر مندی کے ساتھ ان کے تعاقب میں تھا۔

میرا شک اگر درست نہیں تھا تو ایسا غلط بھی نہیں تھا؟

ان کی گاڑی ان شہر کے آباد پر رونق راستوں کو پیچھے چھوڑتی ہوئے آگے گہرے اندھیروں کی طرف نیم آباد علاقوں کہ طرف بڑھ رہی تھی۔ اور اب مجھے کچھ کچھ اپنی حماقت کا احساس بھی ستانے لگا تھا۔ اگر یہ لوگ جرائم پیشہ ہوئے اور یہ لڑکی ان کی ساتھی نکلی۔ مجھ پر ذرا سا شک انہیں گزرا یا کچھ اور۔۔۔ تو یہ میرا کیا حشر کر سکتے ہیں۔ اس کا خیال آتے ہی میرے پاؤں کلچ اور اسپیڈ پر ڈھیلے پڑ جاتے۔ دل بے اختیار ریورس گئیر لگانے کو کرتا۔۔ مگر وہ جو گاڑی آگے جا رہی تھی۔۔۔ اس کی فرسٹ سیٹ پر بیٹھی کالے کپڑے پہنے لڑکی۔۔۔ اس کی وہ سرسری سی نظر اور گہری گہری آنکھیں جیسے میرے پورے وجود کے گرد کوئی ان دیکھا شکنجہ کس چکی تھیں۔

بائیں سائیڈ پر آبادی سے پرے کوئی بہت بڑی بلڈنگ تھی۔ ان کی گاڑی کی لائیٹس میں، میں بدقت اس بلڈنگ کا نام پڑھ سکا شاید کوئی پرائیویٹ یونیورسٹی یا کالج تھا اور اس کے آگے چھ سات منزلہ شاید رہائشی عمارت تھی یا کوئی ہاسٹل جس کے باہر ان کی گاڑی رک چکی تھی اور وہ ایک ایک کر کے نیچے اترے تھے، میں ان کے سامنے براہ راست گاڑی لے جانے کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔ اب گاڑی کی لائٹس آف کیے ان کے

اگلے قدم کا منتظر تھا۔ ان میں شاید کوئی بحث ہو رہی تھی۔ پھر وہ بلڈنگ کے اندر چلے گئے جس کی کسی کسی کھڑکی سے روشنی آ رہی تھی اور کسی سے ملگجا اندھیرا۔

میں گاڑی وہیں چھوڑ کر تیزی سے ان کے پیچھے لپکا۔ وہ پہلے فلور کی سیڑھیوں پر ہی کھڑے تھے۔

"میں واپس جاؤں گی۔ تم مجھے چھوڑ کر آؤ۔"

میرے خدشات بے جا نہ تھے۔ لڑکی پہلی سیڑھی کے پہلے زینے کی ریلنگ کو مضبوطی سے پکڑے اڑی ہوئی تھی۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں۔ اب اتنی دور آ کر۔۔۔ واپس جانا آسان نہیں۔۔۔" وہی لڑکا جو اسے ریسٹورنٹ میں لینے آیا تھا، تنک کر بولا۔

"میں جانتی ہوں۔ یہ آسان نہیں۔۔۔۔" وہ با آواز بلند بڑبڑائی۔۔۔ "مگر مجھے جانا ہے پلیز چلو۔۔۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ پلٹنے لگی تھی کہ اس لڑکے نے جھپٹ کر اسے اپنی جانب گھمایا۔

"کیا کر رہی ہو تم؟ کیا کرنے جا رہی ہو۔۔۔ میں نے تمہاری خاطر اتنا رسک لیا ہے۔ اور تم یوں بیچ راہ میں۔۔۔ ۔" وہ زور سے چلایا۔

"تو میں نے رسک نہیں لیا؟ اپنی پوری زندگی اس رسک میں جھونک دی۔" وہ اس سے بھی زیادہ زور سے چلائی۔

بلڈنگ یا تو بالکل غیر آباد تھی یا کم آباد۔۔۔ آوازیں وہاں گونج رہی تھیں۔

"تو اب کیا تکلیف ہوئی ہے؟" وہ بے لحاظ لہجے میں چلایا اس نے اسی طرح لڑکی کو پکڑ رکھا تھا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ مجھے جانے دو۔۔۔ یا میرے ساتھ چلو۔۔۔ میں تم لوگوں کے ساتھ اوپر نہیں جاؤں گی۔" وہ خوف زدہ آواز میں پہلے تھوڑا ڈر کر اور

پھر ذرا بہادری سے دوٹوک لہجے میں بولی تھی۔ اس لڑکے کے ساتھی اس سے ایک زینہ اوپر بیزاری سے کھڑے تھے، جیسے ان کے سامنے کوئی غیر دلچسپ ٹاک شو ہو رہا ہو۔

"اوپر نہیں جاؤ گی تو کیا جہنم میں جاؤ گی؟ میرے ساتھ تو تم جہنم میں بھی جانے کو تیار تھیں، اب کیا پہلے قدم پر ہی سارے وعدے، قسمیں ڈھیر ہو گئیں۔" وہ طنز سے بولا۔

"جہنم تو میں خود اپنی زندگی اب بنا چکی۔ چاہے اوپر جاؤں یا نیچے کہیں بھی۔۔۔" وہ پھر بڑبڑائی تھی۔

"جب ہر طرف جہنم ہی ہے تو اوپر کیوں نہیں چلو۔" لڑکے نے اس کا ہاتھ کھینچا۔

"تم نے تو مجھ سے کورٹ میرج کا وعدہ کیا تھا؟"

ساری کہانی میری سمجھ میں آ گئی۔

وہی عشق و محبت، جھوٹ اور فریب کی روایتی کہانی۔

میرا ہاتھ بے اختیار کوٹ کی اندرونی جیب میں چلا گیا۔

"اس وقت کون سی کورٹ کھلی ہے احمق لڑکی۔۔۔! صبح دن چڑھے گا تو تمہارا یہ شوق بھی پورا کر دوں گا، ابھی کیوں یہاں کھڑی ہو کر تماشا لگا رہی ہو۔" وہ غصے میں آؤٹ ہو رہا تھا۔

"میں تماشا لگا رہی ہوں! تم مجھے۔۔۔ مجھے جانے دو بس۔" وہ اپنا آپ چھڑاتے ہوئے زور سے چلائی۔

"اے لڑکی! زیادہ ایکشن میں آنے کی ضرورت نہیں اور ہم تمہارے باپ کے ملازم نہیں جو یہاں کھڑے ہو

کرساری بکواس اور تمہارا یہ اڑیل پن برداشت کرتے جائیں۔ تم خود اپنی خوشی سے ہمارے ساتھ آئی ہو۔۔۔
ہم تمہیں اٹھا کر نہیں لائے جو یوں اکڑ رہی ہو۔ چلو اب باقی باتیں۔۔۔"

اوپر والے زینے پر کھڑا لڑکا ایک قدم نیچے اترتے ہوئے بے لحاظی سے بولا۔

"بھاڑ میں جائیں باقی باتیں اور تم کون ہوتے ہو، ہمارے بیچ بولنے والے۔۔۔ میں۔۔۔ چھوڑو تم مجھے۔۔۔"
لڑکی پورا زور لگاتے ہوئے خود کو چھڑانے لگی۔

"بتاؤ عاصم یار! ہم اس کے کون ہیں۔۔۔" لڑکا عین اس کے سر پر آ کر زور سے بولا۔

"ارے یار! کیوں شور مچا رکھا ہے۔ ہم بھابھی جان کے دیور ہیں۔ ہونے والے ہی سہی۔ شاید انہیں یقین
نہیں آرہا" تیسرا لڑکا کچھ لڑکھڑاتے ہوئے انداز میں بولا۔ شاید اس نے بہت نشہ کر رکھا تھا۔ بمشکل ریلنگ پر
جھکا کھڑا تھا۔

"عاصم۔۔۔! میں۔۔۔ چھوڑو۔۔۔ مجھے جانے دو۔۔۔ میں ان دونوں کے ساتھ تو ہرگز نہیں۔۔۔ چھوڑو
مجھے ورنہ۔۔۔" وہ اب بھرپور مزاحمت کر رہی تھی۔

مگر عاصم کے مضبوط بازوؤں نے اسے اور بھی اپنے گھیرے میں جکڑ لیا تھا۔

"میں نے اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کی۔

"کیا کرو گی جان من شور مچاؤ گی؟ مچاؤ اس ویرانے میں۔۔۔ اس جنگل میں کون آئے گا تم جیسی کوئل کی کوک
سننے۔۔۔ اور تم تو مری جا رہی تھیں ہماری محبت

میں۔۔۔ اب یہ یکایک ایسی بے وفائی کیوں؟ تمہارے تو تیور ہی بدلے نظر آرہے ہیں۔" وہ اب اپنے اصل
رنگ پر آرہا تھا کھلتے ہوئے۔

"چلو شرافت سے اوپر، بڑا میرا پیار دیکھ لیا ورنہ زبردستی بھی کی جاسکتی ہے۔۔۔"

"خبردار ایک قدم آگے نہ بڑھانا اور چھوڑو اسے۔ سنا نہیں تم نے۔۔۔" میری آواز جتنی رعب دار ہو سکتی
تھی۔ میں نے اس سے بھی زیادہ اسے بنانے کی کوشش کی مگر اس وقت محض آواز کے رعب کا سکہ نہیں چل
سکتا تھا۔ میں جانتا تھا اگر میرے ہاتھ میں سیاہ چمکتا ریوالور نہ ہوتا۔۔۔

ان تینوں کے قدم تو ٹھٹکے ہی۔۔۔ چہرے بھی پل بھر میں فق ہو گئے۔

"کون ہو تم۔۔۔؟ ہیں۔۔۔" دوسرا لڑکا خود کو سنبھال کر ذرا رعب سے بولا۔

"چھوڑو اسے، سنا نہیں تم نے۔" میں نے پستول پر ہاتھ کی گرفت اور بھی مضبوط کرتے ہوئے ایک قدم آگے
بڑھا کر کڑکتے ہوئے کہا۔

"انکل۔۔۔ انکل۔۔۔! آپ آگئے۔۔۔ پلیز مجھے یہاں سے لے چلیں۔"

شاید اس لڑکے کی گرفت کمزور ہوئی تھی یا لڑکی پہلے ہی الرٹ تھی، اس نے عاصم کو زور سے دھکا دیا۔ اور
ایک ہی جست میں تینوں زینے پھلانگتے ہوئے میرے پاس آ کھڑی ہوئی۔

"ہاں اچھا کیا تم نے مجھے فون کر کے بلوا لیا۔ اس کمینے کی محبت ٹیسٹ کرنے کے لیے۔ یہ لو گاڑی کی چابی۔
دونوں گارڈ باہر کھڑے ہیں۔ ان سے کہو۔ اندر آنے کی ضرورت نہیں ان چوروں کے لیے تو میں ہی کافی
ہوں۔ تم چلو میں آتا ہوں۔" میں نے کوٹ کی جیب سے چابی نکال کر لڑکی کی طرف بڑھائی۔ وہ چابی لے کر

ذرا سا پیچھے ہو گئی۔

"تم تینوں سیدھا اوپر چلے جاؤ ورنہ۔۔۔میں گارڈز کو اندر بلواؤں گا اور پھر۔۔۔دس بیس نہ سہی، دو تین سال تو ضرور حوالات کے مڑے چکھنے پڑ جائیں گے۔ شاید تم تینوں کی یہ پہلی ناکام کوشش ہے۔اس لیے چھوڑ رہا ہوں ورنہ۔۔۔خبردار آگے نہ بڑھنا۔یہ ریوالور بھرا بھی ہوا ہے اور چلتا بھی ہے۔"

دوسرا لڑکا کچھ زیادہ پرجوش تھا۔اس نے خفیف سی حرکت کی اور میں نے پستول والا ہاتھ اوپر کرتے ہوئے بے اختیار ہوائی فائر کر ڈالا۔۔اور ان تینوں نے اوپر دوڑ لگانے میں فقط تین سیکنڈ لگائے۔

وہ ابھی سیڑھیوں سے، میری نظروں سے اوجھل نہیں ہوئے تھے کہ میں تیزی سے پلٹ آیا۔

لڑکی بلڈنگ کے گیٹ کے پاس ہی کھڑی تھی۔ باہر پھیلے مہیب اندھیرے نے شاید اسے وہیں کھڑے رہنے پر مجبور کیا تھا۔

ہم نے وہاں سے نکلنے میں بمشکل دو منٹ لگائے۔اس رات میں نے اپنی زندگی کی سب سے فاسٹ ڈرائیو کی۔ بیس منٹ بعد ہم آباد شہر کی پررونق سڑکوں پر تھے جہاں اتنی رات گئے بھی زندگی عروج پر تھی۔

"مم۔۔۔مجھے۔۔۔یہیں سائیڈ پر اتار دیں۔" اتنی دیر خاموش بیٹھے رہنے کے بعد مسلسل انگلیاں چٹخانے انہیں مروڑنے اور چٹاخے نکالنے کے بعد وہ مدھم سی آواز میں بولی تھی جسے میں ان سنا کرتے ہوئے گاڑی چلاتا رہا۔

"تمہارا گھر کدھر ہے۔ میں تمہیں وہیں چھوڑ کر آؤں گا" میں نے ذرا دیر بعد کہا۔

"میں گھر نہیں جاؤں گی مجھے آپ یہیں اتار دیں۔" وہ ضدی پن سے بولی تو میں نے ایک نظر اس کے چہرے

کی طرف دیکھا۔

"شاید تم نے ابھی چند منٹ پہلے ہونے والے اس خوفناک واقعہ سے کوئی سبق نہیں سیکھا جو اگر رونما ہو جاتا خدانخواستہ تو۔۔۔شاید تمہاری زندگی کو اس رات سے بھی زیادہ تاریک بنا جاتا۔" میں اسے جتانا نہیں چاہتا تھا مگر وہ مجھے اچھی خاصی ضدی اور ہٹ دھرم سی لگی تھی۔ بالکل مریم کی طرح!

"میں آپ کی احسان مند ہوں مگر پلیز۔آپ مجھے

یہیں اتار دیں۔" میرا اندازہ اس کے بارے میں درست تھا۔

"تاکہ جو بدصورت واقعہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔وہ ہو جائے۔" میں سامنے دیکھتے ہوئے اب درمیانی رفتار سے گاڑی چلا رہا تھا۔

"میں آپ کی شکر گزار ہوں مگر پلیز گاڑی روکیں۔"

"دیکھو لڑکی! رات گہری ہو چکی ہے۔ تمہارا یہ محبت وحبت کھیلنے کا ڈرامہ اپنے اختتام کو پہنچ چکا ہے۔اب جلدی سے مجھے اپنا ایڈریس بتاؤ۔ تمہارے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے۔ نہ جانے تم لڑکیاں اس قدر بے حس کیوں ہوتی ہو؟" مجھے اب غصہ آنے لگا تھا۔

"ہاں ہم تو بے حس ہوتی ہیں مگر ان والدین سے کم" وہ بے اختیار بولی اور لب چبانے لگی۔ "میں۔۔۔یہیں اتار دیں مجھے۔ میں اب۔۔۔میں کہیں کسی گاڑی کے آگے آ کر یا نہر میں کود کر اپنی جان تو دے سکتی ہوں۔ مگر گھر نہیں جاؤں گی۔ سنا آپ نے۔"

اف کس قدر ضدی لڑکی تھی۔آگ سے کھیل آنے کے بعد، اس کی تپش کو اتنے قریب سے چھونے کے بعد

بھی کچھ نہیں سیکھ سکی تھی تو میرا رعب اور ڈراوے اسے کیا سکھا سکیں گے۔

"تم مجھے اپنا پتا نہیں بتاؤ گی؟" میں نے شکست خوردہ انداز میں آخری بار پوچھا۔ اس نے زور سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"او کے بھاڑ میں جاؤ۔ تم نے خود کو تباہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو یونہی سہی۔" میں نے کہتے ہوئے گاڑی کو ریس دی اب اس پتھر سے سر پھوڑنے کا کچھ فائدہ نہیں تھا۔

* * *

"سیما! تم ابھی گھر آجاؤ۔" میں نے فون پر کہا۔

"افوہ اب کیا ہو گیا ہے اور اتنی رات کو، اس وقت کس کے ساتھ آجاؤں۔ کون مجھے اپنی نیند قربان کر کے ڈراپ کرنے آئے گا بھلا، مسئلہ کیا ہے؟"

"مسئلہ ہے نا۔ تم آؤ گی تو بتاؤں گا۔" میں گہرا سانس لے کر بولا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں حسان!" اسے میرے یوں گہرے سانس لینے سے فکر سی ہوئی۔

"ہوں۔ میں ٹھیک ہوں۔ تم پلیز آجاؤ۔"

"حسان! رات بہت ہو چکی ہے۔ آپ اب تک سوئے کیوں نہیں؟" وہ تشویش سے بولی۔

"ہوں۔۔۔ نیند نہیں آ رہی اور۔۔۔ تم آ رہی ہو نا؟" میں نے بے چینی سے مریم کے کمرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"افوہ کس کے ساتھ آؤں۔ سب تو سو رہے ہیں۔ اچھا میں دیکھتی ہوں۔ شاید بلال جاگ رہا ہو۔ اس کے ایگزام ہو رہے ہیں آج کل اور پلیز یہ سسپنس نہ پھیلایا کرو۔ اب ہماری یہ عمریں نہیں، اس طرح کے فضول سسپنس سے انجوائے کرنے کی، اگر تم مجھے سہولت سے بتادو تو میں راستے کی ذہنی کوفت سے بچ جاؤں گی۔" سیما متجسس لہجے میں بولی۔

"تم آ رہی ہو نا پھر تو دیکھ لینا۔ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ نکلتے ہوئے مجھے مسڈ کال دے دینا۔ خدا حافظ۔" میں نے اسے اگلے سوال کا موقع دیے بغیر فون بند کر دیا اور وہ کتنا چڑی ہو گی میری اس حرکت پر مجھے معلوم تھا مگر یوں فون پر بھی تو میں اسے سب کچھ نہیں بتا سکتا تھا اور سنانے کو تھا بھی کیا۔۔۔ یہ تو دیکھنے پر۔۔۔ معلوم ہو سکتا تھا۔ وہ مجھے ایک لفظ بتانے کے لیے تیار نہیں تھی، اس کی ضد اور ہٹ دھرمی اسی طرح قائم تھی اور میں اس سے تکرار بھی نہیں کر پا رہا تھا۔

میں لاؤنج میں مسلسل ٹہل رہا تھا اور میری نظریں بار بار مریم کے کمرے کی طرف اٹھ رہی تھیں جہاں وہ لڑکی موجود تھی اس وقت۔ باہر گاڑی کا ہلکا سا ہارن بجا تھا۔

سیما آگئی تھی اس نے شاید غصے میں گھر سے نکلتے ہوئے کہنے کے مطابق مسڈ کال نہیں دی تھی پر

شکر وہ آتو گئی۔ میرے ناتواں سے دل کو بڑا سہارا محسوس ہوا اس کی آمد سے۔

میں باہر کی طرف آگیا۔ سیما کے پاس گیٹ کی چابی بھی تھی سو وہ خود ہی گیٹ کھول کر اندر چلی آئی۔

"حسان! ٹائم دیکھا ہے، دو بجنے کو ہیں۔ بلال بھی سو رہا تھا۔ اتنی مشکل سے اسے اٹھا کر لائی ہوں۔ آپ کی طبیعت کی خرابی کا بلال سے بہانہ کیا تھا۔ اب بے چارہ اندر آ رہا تھا آپ کو پوچھنے۔" سیما آتے ہی مجھے بخیریت

دیکھ کر خفا ہونے لگی۔

"تو اسے اندر بلا لینا تھا۔" میں ہلکا پھلکا سا ہو کر بولا۔

"تاکہ وہ آپ کو یہاں یوں چہل قدمی فرماتے دیکھ کر مجھے خوب ہی جھوٹا سمجھتا کہ پھپھو نے محض اپنے شوہر کی جدائی سے ہراساں ہو کر اس غریب کی نیند خراب کی۔ چلا گیا ہے اب وہ۔" وہ بولتے ہوئے میرے ساتھ اندر آ گئی۔

"آپ سوئے کیوں نہیں اب تک اور دوا کیوں نہیں لی؟ کھایا کیا تھا رات کو کھانے میں؟" اس نے اندر آتے ہوئے ایک ہی سانس میں سارے سوال کر ڈالے۔

"شام کو چائے کے ساتھ کچھ اسنیکس لے لیے تھے اور بس۔" میں سیما سے جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔ صاف گوئی سے بولا۔

"مائی گاڈ حسان! آپ کو اپنی زندگی، اپنی صحت کی کچھ پرواہ ہے کہ نہیں اور مجھے کتنا ستائیں گے۔ محض دو دن کے لیے میں گئی تھی اور فریج میں کئی قسم کے کھانے بنا کر۔ مائیکرو میں گرم کرنے میں کتنی دیر لگتی ہے اور کتنی مشقت۔ بتائیں ذرا مجھے، آدمی کو اتنے تو ہاتھ پاؤں ہلا لینے چاہئیں۔" وہ وہیں صوفے پر سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"یار! بات ہاتھ پیر ہلانے کی نہیں، ایک تو گھر کا سناٹا، دوسرے تم جس طرح کھانا تازہ اور گرما گرم میرے سامنے سرو کرتی ہو پھر ہم تینوں۔۔۔ ہم دونوں ساتھ بیٹھ کر۔۔۔۔ مجھے، مجھے وحشت ہوتی ہے۔ اس خالی گھر میں اکیلے بیٹھ کر کھانے سے۔ تمہیں معلوم ہے پھر بھی۔" میں سیما کے سامنے خود کو بہت کمپوزڈ رکھا کرتا تھا مگر پھر بھی کوئی نہ کوئی بات ایسی ہو ہی جاتی تھی جو ہم دونوں کو ہی بکھرنے پر مجبور کر دیتی تھی۔

ہم دونوں اپنی جگہ کتنی دیر گم صم سے بیٹھے رہ گئے۔ میرے اندر چھائے ملال کے بادل اور بھی گھرے ہونے لگے۔

"مجبوری تھی نا! پہلا پہلا فنکشن ہے ناصر بھائی کے گھر کا۔ بھابھی گھبرا رہی تھیں۔ شہلا کی شاپنگ کے لیے۔ پھر اتنی قریب کی تاریخ رکھی ہے انہوں نے شادی کی تو۔۔۔ اور اتنے اصرار سے اتنے دنوں سے بلا رہی تھیں۔۔۔۔ فون کر رہی تھیں ورنہ میں کب جاتی ہوں آپ کو یوں چھوڑ کر۔۔۔۔ اگرچہ اس گھر، اس کے در و دیوار میں میرے لیے وحشتوں کا کیسا سامان ہے کوئی میرے دل سے پوچھے۔"

اس کی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی محسوس ہو رہی تھی ڈوبتی ابھرتی۔

میرا سر اور بھی جھک گیا۔ کیا اعتراف کرتا!

"سیما! سنو۔۔۔ ہر گناہ کا کفارہ ہوتا ہے نا!" میں خاصی دیر بعد بولا تھا اور خاصا موضوع سے ہٹ کر بھی۔ سیما کا چونکنا لازمی تھا۔ سر اٹھا کر مجھے دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب؟"

"سیما!" میں اٹھ کر اس کے پاس چلا آیا۔ "شاید قدرت کو مجھ پر رحم آ گیا ہے" میں کچھ دبے دبے جوش سے بولا

"حسان! کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں آپ کی۔ کیسی بہکی بہکی سی باتیں کر رہے ہیں۔" وہ فکرمندی سے پہلے میرا ماتھا چھو کر بولی اور پھر ہاتھ تھام کر نبضیں ٹٹولنے لگی۔

"ٹھیک ہوں میں بلکہ شاید اب اور بھی ٹھیک ہو جاؤں گا۔" میں نے اس کے ہاتھ اپنی کلائی سے ہٹا کر کہا۔

"مطلب۔۔۔ کیا ہے ان بے ربط باتوں کا؟" وہ میرے یوں ہاتھ جھٹکنے پر ہراساں ہو کر بولی۔

"توبہ کا راستہ کبھی بھی بند نہیں ہوتا اور جب کوئی

انسان گڑگڑا کر ہمہ وقت اپنے گناہ کی جو اس سے انجانے میں سرزد ہوا ہو، اس کی معافی مانگے تو اللہ معاف کر ہی دیتا ہے نا!" میں نے اس کی تائید چاہی۔

"انجانے میں؟" مجھے توقع نہیں تھی سیما اس معمولی سے لفظ کو پکڑے گی۔ میں لمحہ بھر کو چپ رہ گیا۔

"ہاں انجانے میں۔۔۔ گناہ کرنے والے کو کیا معلوم ہوتا ہے۔۔۔" میں نے لب چبا کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"پلیز حسان! مجھے اس وقت کیوں بلایا ہے آپ نے؟" وہ ایکدم سے اٹھ کھڑی ہوگئی۔

"مریم کے کمرے میں جاؤ۔" میں نے صوفے کی پشت سے سر لگا کر کہا تو وہ مجھے یوں دیکھنے لگی جیسے میرا ذہنی توازن بگڑ گیا ہو۔

"کیا کہہ رہے ہیں؟"

"جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔ مریم کے کمرے میں جاؤ پلیز۔"

"حسان! آر یو آل رائٹ!" وہ تشویش سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"سیما! میں بالکل ٹھیک ہوں پلیز۔ تم جو میں کہہ رہا ہوں کرو، جاؤ نا!" اب کہ میں جھنجلا کر بولا تو وہ حیران کم اور پریشان زیادہ مجھے دیکھے گئی۔

"کیا ہے وہاں؟" وہ خاصی دیر بعد ہتھیار ڈالنے والے انداز میں بولی۔

"خود جا کر دیکھ لو۔"

میری اس بات پر وہ تاسف بھری نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"میں ابھی پاگل نہیں ہوا۔ ٹھیک ہوں بالکل، تم دیکھو تو سہی جا کر۔"

میں اس کی نظروں کا مفہوم سمجھتے ہوئے بولا تو وہ سر جھٹک کر مریم کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

میں آنکھیں بند کر کے اس کا انتظار کرنے لگا، میرے دماغ میں فلم سی چلنے لگی۔

"اگر یہ لڑکی ان عیاش لڑکوں کے جال میں پھنس جاتی۔ میں ان لمحات میں اندر سے کتنا ڈرا ہوا تھا۔ وہ تینوں نہتے ہونے کے باوجود جوان تھے۔ مضبوط طاقت ور جسموں والے اور پھر اس وقت شیطان کی ہلاشیری دیتی ہوئی شیطانی قوت سے بپھرے ہوئے۔ ایک بھی مجھ پر پل پڑتا تو مجھ سے وہ ریوالور تو کیا چلنا تھا۔ اسے سنبھالا بھی نہیں جاتا اگر وہ تھوڑے سے گھاگ ہوتے اور میرے ہاتھوں کی کپکپاہٹ ان کی نظروں میں آجاتی تو کیا نہیں ممکن تھا۔ میں پچاس سال کا بوڑھا اور ہارٹ پیشنٹ شاید ان کا ایک دھکا بھی نہ سہہ سکتا مگر حسان میاں! بات یہ ہے کہ قدرت اس لڑکی کو بچانا چاہتی تھی۔ تمہارے کمزور، ناتواں وجود کو اس نے ایک مضبوط نظر آنے والی ڈھال بنا دیا اس لڑکی کو بچانے کے لیے۔ وہ طاقت ور ہوتے ہوئے بھی کمزور چوہے بن گئے اور میں؟"

اور قدرت نے یہ سارا کھیل کس لیے کھیلا۔ محض اس لڑکی کو بچانے کے لیے۔۔۔ اور میرا اس میں کیا حصہ بنا۔۔۔ فقط ڈھال کے طور پر نہیں کچھ اور بھی۔۔۔ ہاں کچھ اور نہیں۔۔۔ بہت کچھ بہت زیادہ تھا، میرے لیے اس میں تشفی کا سامان۔ تاوان کی صورت۔۔۔ کفارے کا سبب شاید۔۔۔ میری توبہ میرے پچھتاوے میرا

ملال۔۔۔شاید قدرت نے میری معافی قبول کرلی۔

"حسان! کون ہے یہ لڑکی؟"سیما میری توقع کے برعکس بہت جلدی لوٹ آئی تھی۔

"تم نے اس سے نہیں پوچھا؟"

"کیا پوچھوں کہ تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہی ہو اور تمہیں کون لایا ہے؟ پوچھ لیتی یہ سب اس سے مگر۔۔۔"

"کیسے پوچھتی، وہ سو رہی ہے۔۔۔میں نے دو ایک آوازیں دیں مگر شاید وہ گہری نیند میں تھی۔ کون ہے، یہ؟ بتاتے کیوں نہیں۔"وہ اب کے ذرا چڑے ہوئے انداز میں بولی۔

"یار! مجھے خود نہیں معلوم یہ کون ہے؟"

"حسان! پاگل سمجھ رکھا ہے مجھے۔ بتاتے کیوں نہیں کون ہے یہ؟ کہاں سے لے کر آئے ہیں آپ اسے۔۔۔؟ کہیں۔۔۔۔"وہ مشکوک لہجے میں رک کر بولی۔

"کہیں۔۔۔۔؟یعنی میں نے شادی تو نہیں کرلی۔ یہی کہنا چاہتی ہو؟"میں نے اسے چھیڑا تو اس کے چہرے کے تاثرات ہی بدل گئے۔

"خیر۔ایسی انتہائی بلکہ ناممکن سی بات تو میں نہیں سوچ سکتی البتہ آپ کے سسپنس پر غصہ آرہا ہے۔ بتائیں کیا معاملہ ہے؟"

"اوکے اندر آؤ۔اب مجھ سے اور بیٹھا نہیں جارہا، ذرا بیڈ پر لیٹ کر کمر سیدھی کرلوں پھر بتاتا ہوں۔"میں تھکا تھکا سا بولا۔

میں کمرے میں پہنچ کر بیڈ پر گر سا گیا۔

"چینج تو کرلیں۔"

"اب دو تین گھنٹوں کی تو رات رہ گئی ہے۔ابھی گھنٹہ بھر تم نے سر کھانا ہے۔ میں ایسے ہی سو جاؤں گا۔"

"ہرگز نہیں۔یوں بے آرام کپڑوں میں خاک نیند آئے گی۔ دودھ لے آؤں۔ ساتھ دوا لے لیں۔"اسے میرا کتنا خیال تھا، اس میں مجھے ذرا شک نہیں تھا بلکہ اس کا یہ کیئرنگ سا انداز مجھے اور بھی شرمندہ کر جاتا تھا۔

اسے دودھ کے لیے منع کرتے ہوئے میں چینج کرنے چلا گیا۔

"اوہ میرے خدایا! اور آپ اسے گھر لے آئے؟"ساری کہانی سن کر سیما سر پکڑتے ہوئے بولی۔

"تو کیا کسی سڑک پر اتار آتا۔ تم بھی احمقوں والی بات کرنا۔"میں نیند سے چڑا ہوا تھا۔اس کے الٹے سوال پر کوفت سے بولا۔

"حسان! معلوم نہیں یہ لڑکی کون ہے؟ وہ لڑکے اس کے ساتھی تھے اگر خدانخواستہ آپ کے پیچھے آجاتے، آپ جو اتنے پڑے خطرے میں بلاجھجک کود پڑے سپر مین بن کر۔ اگر خدانخواستہ آپ کو کچھ ہو جاتا اور یہ بھی ہو سکتا ہے، یہ لڑکی بھی ان کی ساتھی ہو۔اب ہمارے سوتے ہی یہ فون کر کے اپنے ساتھیوں کو بلائے۔۔۔یا خود ہی تھوڑا بہت سمیٹ کر چلتی بنے یا کچھ بھی۔۔۔"

"افوہ! کیسی باتیں سوچ لیتی ہو تم عورتیں اور سنو! یہ لڑکی شکل سے ایسی نہیں لگتی۔ مجھے پتا ہے۔"میں یقین سے بولا۔

"ہاں آپ تو بڑے چہرہ شناس ہیں۔ بدھو ہیں سارے زمانے کے۔ یہ لڑکی یقیناً فراڈ ہے، بہت بڑا۔ دیکھ لیجیے

گا۔" وہ بھی پورے یقین سے بولی۔

"اچھا بھئی۔ ہو گئی تو ہو جائے۔ چالیس پچاس ہزار کی مالیت ہو گی نا گھر میں موجود اثاثوں کی تو لے جائے، اور چہرہ شناسی کی خوب کہی تم نے۔ ایک مرد جس طرح سے ایک لڑکی کے چہرے کو جج کر سکتا، اور یار! یہ لڑکی اچھی خاصی کم سن ہے تمہیں نہیں لگتا یہ۔۔۔ یہ بالکل ہماری مریم جیسی ہے۔ ہے نا!" مجھے لگا، میں نے سیما کے دل پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ گنگ سی بیٹھی رہ گئی۔

دل پر ہاتھ تو میرے بھی پڑ گیا تھا۔ ہم دونوں کے درمیان ایک جامد چپ سر سرانے لگی۔

"تم نے اس کے گھر کا پتا، فون نمبر کچھ تو پوچھنا تھا۔" وہ بہت دیر بعد بولی تھی۔

"میں نے کوشش کی تھی، اس نے نہیں بتایا۔"

"میں باہر لاؤنج میں جا کر لیٹ جاتی ہوں، دو ہی تو گھنٹے ہیں۔" سیما فکر مندی سے کہتی ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مگر کیوں تم کیوں لیٹو گی وہاں جا کر۔ اب باہر اچھی خاصی خنکی ہوتی ہے۔ آرام سے اپنے بستر پر سوؤ۔" میں اسے ٹوکتے ہوئے سیدھا ہو کر لیٹ گیا۔

"تا کہ وہ پوری تسلی سے گھر کا صفایا کر جائے۔ مجھے تو وہ سوتی ہوئی بھی نہیں لگ رہی تھی۔ صاف نظر آ رہا تھا، سونے کی ایکٹنگ کر رہی ہے، بھلا ایسی حالت میں پرائے گھر، پرائی جگہ پر، کسی کو ایسی بے فکری کی نیند آ سکتی ہے۔ ضرور کوئی گھپلا چکر ہے۔ میں باہر جا کر لیٹتی ہوں۔ سو جائیں آپ۔"

وہ مجھے تاکید کرتے ہوئے کمرے کی مین لائٹ آف کر کے خود بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"ٹھیک کہتی ہے سیما! بھلا اپنے گھر سے دور پرائی جگہ پر کوئی کیسے سو سکتا ہے؟ محض سیما کے آنے تک آدھے پونے گھنٹے میں وہ گہری نیند نہیں سو سکتی پھر جس غیر معمولی سچویشن سے گزر کر وہ میرے ساتھ آئی تھی۔ کوئی بھی نارمل انسان اتنی جلدی۔۔۔ میٹھی نیند نہیں سو سکتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے، سیما کا شک درست ہو۔ وہ کسی واردات کے چکر میں ہو اور وہ لڑکے۔۔۔"

"خیر جو بھی ہو، صبح یہ بھید بھی کھل ہی جائے گا۔ جانے اس احمق لڑکی کے ماں باپ پر کیا گزر رہی ہو گی؟ کتنا میں نے اس سے پوچھا۔ فون نمبر ہی دے دے اور جانے اس موبائل فون پر یہ اس لڑکے سے بات کر رہی تھی، وہ کہاں گیا ورنہ اس سے کچھ مدد مل جاتی۔ نہ جانے یہ بیٹیاں اتنی پتھر دل کیوں ہوتی ہیں؟" میں نے کلس کر کروٹ لی۔

"حسان! تم اتنے پتھر دل ہو گے۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ کوئی باپ تمہارے جیسا پتھر دل نہیں ہو سکتا۔" میں نے آنکھیں بند ہی کی تھیں کہ سیما کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں اور ملگجے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ کمرہ خالی تھا۔

"بابا! آپ سو جائیں۔ آپ سو کیوں نہیں رہے۔ نیند نہیں آ رہی۔ اچھا لائیں، میں آپ کے سر میں ہلکا ہلکا مساج کر دیتی ہوں پھر آپ کو بڑی اچھی نیند آ جائے گی۔ پتا ہے نا، ڈاکٹر نے آپ کو ایک مکمل پر سکون نیند لینے کی کتنی سختی سے ہدایت کی ہے۔" میں مبہوت سا آنکھیں پھاڑے آوازیں سننے لگا۔

وہ نازک نازک نرم نرم دگاز انگلیاں میرے بالوں میں سر سرانے لگی، نرم روئی جیسی ہتھیلی میری پیشانی سہلاتی میرے سر میں ہلکا ہلکا مساج کر رہی تھی میں نے زور سے آنکھیں میچ لیں اور ذرا دیر میں میرا تکیہ

آنسوؤں سے بھیگنے لگا۔

* * *

میں صبح لیٹ ہو گیا تھا۔ رات بھر کا رت جگا اور ایک بے چین، بے قرار سی نیند کے بعد صبح اٹھنا ممکن ہی نہ تھا۔ آج آفس میں سیلری ڈے تھا اور بہت ضروری میٹنگ بھی تھی، اس لیے جانا ضروری تھا۔ میں نے سوچا، میٹنگ نمٹا کر جلد آجاؤں گا تاکہ اس قصہ کو نمٹایا جاسکے۔ میں تیار ہو کر کمرے سے باہر نکلا۔ سیما لاؤنج کے صوفے پر بے خبر سو رہی تھی۔

"بے چاری رات بھر میرے ساتھ پریشان رہی ہے۔" پہلے میں اسے بتانے کے لیے ذرا سا ہلانے کو آگے بڑھا پھر یہ سوچ کر رک گیا۔

"آفس جا کر فون کر دوں گا۔" میں چپکے سے پیچھے ہٹ گیا۔

دوسرے خیال نے پھر سے میرے قدم زنجیر کر لیے۔

لمحہ بھر سوچنے کے بعد میں نے قدرے جھجکتے ہوئے مریم کے کمرے کا دروازہ ہولے سے کھولا۔

وہ بالکل دروازے کے سامنے پڑے بیڈ پر کروٹ لیے بے خبر سو رہی تھی اس کا دوپٹہ سر سے سرک چکا تھا کمر تک چادر لیے وہ گہری نیند کی غفلت میں تھی۔ رات تو شاید وہ نیند کی ایکٹنگ کر رہی تھی مگر اب واقعی سو رہی تھی۔

اس نے دایاں ہاتھ اپنے دائیں گال کے نیچے رکھا ہوا تھا اور ہونٹ نیند کی مدہوشی میں ذرا سے کھلے ہوئے تھے بکھرے بالوں کی دو چار لٹیں چہرے کے اطراف پڑی تھیں۔ مگر اس کا گال کے نیچے ہاتھ رکھ کر سونے کا

معصومانہ انداز مجھے کھڑے کھڑے پتھرا سا گیا تھا۔

"مریم بھی تو اسی طرح سوتی تھی۔ بالکل اسی طرح۔" میرے سینے میں درد کی ہلکی سی لہر اٹھی اور میں نظریں چراتا پیچھے ہٹ گیا۔

راستہ بھر اس کی تصویر میری نظروں کے سامنے سے نہ ہٹ سکی مگر آفس پہنچتے ہی میں بے تحاشا مصروف ہو گیا۔

"نیازی صاحب کو اندر بھیجو، آج انہوں نے چیکس پر سائن نہیں کروانے پھر بینک ٹائم آف

صفحہ نمبر 12

ہونے کی بھگدڑ مچ جاتی ہے۔" میں نے انٹر کام پر سیکریٹری سے کہا۔

"نیازی صاحب تو ابھی تک آفس نہیں آئے۔"

"وہاٹ؟" یکدم میرے منہ سے نکلا۔ "دماغ تو ٹھیک ہے ان کا۔ آج سیلری ڈے ہے پھر تین کمپنیوں کو پے منٹ کرنی ہے، اور وہ ابھی تک آفس میں نہیں آئے۔ جلدی ان سے رابطہ کر کے مجھے بتاؤ وہ کب تک آفس پہنچ رہے ہیں۔" میں نے غصے میں کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

"نیازی اتنا غیر ذمہ دار انسان تو نہیں یوں بھی آفس میں سینئر موسٹ ہے، پھر اکاؤنٹس سیکشن کا ہیڈ، ایسی لاپروائی کیسے کر سکتا ہے؟" میں خود ہی بڑبڑاتا جھلاتا آگے پڑی فائل کبھی کھلتا کبھی بند کرتا غصہ کنٹرول کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

دو بجے تک مصروفیت اتنی زیادہ رہی کہ مجھے گھر فون کرنا تو کیا نیازی کے بارے میں پوچھنا بھی یاد نہیں رہا۔

"نیازی صاحب کو میرے کمرے میں بھیجو۔" میں نے انٹر کام پر کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ بے چارہ پی اے لمحہ بھر بعد بوکھلایا ہوا سا اندر آ گیا۔

"سر! نیازی صاحب تو آج آفس ہی نہیں آئے، میں نے آپ کو بتایا تو تھا۔" آج نیازی صاحب کی آمد کتنی اہم ہے، اسے معلوم تھا۔ اسی لیے تھوڑا ہکلا کر ڈرتے ہوئے بولا۔

میں تھوڑی دیر کچھ بول ہی نہیں سکا۔

"تمہاری بات ہوئی نیازی صاحب سے؟"

"نو سر! ان کا سیل مل رہا تھا نہ لینڈ لائن پھر ان کے گھر سے کسی نے بتایا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔ کسی ضروری کام سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ سیل بھی ان کے پاس ہے پھر میں بار بار ان سے کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ سیل یا تو آف ملتا یا پھر انگیج۔۔۔" وہ جلدی جلدی بول رہا تھا مبادا میں غصے میں نہ آ جاؤں اور میرے غصہ کا کچھ ایسا ہی حال تھا۔ اول تو بالکل ٹھنڈا ٹھار اور جو غصہ آتا تو پھر بالکل بے قابو ہو جاتا۔ میری اس غیر متوازن عادت سے میرا اسٹاف کتنی تکلیف اٹھاتا تھا۔ مجھے اس کی بھی خبر تھی اور بعد میں اس کا ازالہ کرنے کی کوشش بھی کرتا تھا مگر فی الوقت میں اسے بری طرح گھور رہا تھا جیسے نیازی کے آفس نہ پہنچنے میں اس کا ہاتھ ہے۔

"مجھے نیازی کا سیل نمبر ملا کر دو اور لینڈ لائن نمبر بھی۔" نا معلوم کیسے میں نے کھولتے دماغ کو قابو میں کرتے ہوئے نارمل لہجے میں کہا تو اس کی جان میں جان آئی۔

وہ سچ کہہ رہا تھا، نیازی سے کوشش کے باوجود رابطہ نہیں ہو سکا۔ وہ دونوں نمبروں پر موجود نہیں تھا۔

مجھے سخت پریشانی سی ہوئی۔ وہ ایسی غیر ذمہ دار طبیعت کا مالک نہیں تھا چلو چھٹی کرنی تھی تو دفتر میں انفارم کر

دیتا، یوں بے چینی تو نہ پھیلتی میں اسٹاف کو وقت پر تنخواہ دینے کے معاملے میں کتنا سخت ہوں۔ نیازی کو اس کا علم تھا پھر بھی۔

اور آج شاید میری زندگی میں پہلی بار ایسا ہو رہا تھا کہ ہم اسٹاف کو وقت پر تنخواہ نہیں دے رہے تھے جس کا مجھے بے حد رنج تھا اور نیازی پر بے تحاشا غصہ۔

"حد کرتے ہیں حسن آپ بھی۔ صبح بھی بغیر بتائے چلے آئے نہ ناشتہ نہ کچھ اپنی صحت کا خیال اور اب بھی آدھا دن گزر گیا۔ آپ نے فون کرنے کی بھی زحمت نہیں کی۔ اتنے لاپرواہ کب سے ہو گئے ہیں آپ؟" میں سیما کو یکسر بھولے ہوئے تھا جب ڈھائی بجے اس کا ناراضی بھرا فون آ گیا۔

"اوہ سوری سیما! بالکل بھول گیا۔ بہت بزی تھا آج اور تمہیں معلوم ہے کوئی کام میری مرضی کے مطابق نہ ہو یا لیٹ ہو جائے بس۔۔۔۔" مجھے پھر سے نیازی کی لاپروائی یاد آئی شاید اس لیے کہ مجھ سے بھی بڑھ کر لاپرواہ لوگ ہوتے ہیں۔

"بس پھر آپ کا غصہ آسمان سے باتیں کرنے لگتا ہے آخر آپ اس عادت بد پر قابو کیوں نہیں پاتے۔ زندگی میں اتنا بڑا نقصان اٹھا لینے کے بعد بھی آپ کو اس بری عادت سے چھٹکارا پانے کا خیال نہیں آیا۔۔"

وہ افسردگی سے بولی اور میرے اندر پھر وہی دھند سی
چھانے لگی۔

"خیر رہنے دیں۔ آپ بدلنے والے ہیں نہ آپ کی عادتیں۔ میری توقع ہی فضول ہے۔" لمحہ بھر بعد وہ خود کو کمپوز کرتے ہوئے سرد لہجے میں بولی۔ "یوں بھی آپ کے بدلنے سے کون سا ہمارا خسارہ پورا ہو جائے گا۔ خیر

کب تک آئیں گے آپ؟"

"میں۔۔۔" میری گھٹی ہوئی آواز نکلی۔ "شاید لیٹ ہو جاؤں۔"

"اور اس سوغات کا کیا کرنا ہے جسے خدا جانے آپ کہاں سے اٹھالائے ہیں۔" اس کے بیزار لہجے پر میں چونکا۔

"کچھ نہیں بتایا اس نے، اپنا نام کچھ بھی؟"

"کچھ بھی نہیں، بس پتھر کا بت بنی گھٹنوں میں سر دیے گم صم بیٹھی ہے۔"

"اس نے کچھ کھایا پیا؟"

"ہاں میرے بہت اصرار پر بلکہ مجھے ہی بارہ بجے ترس آیا تو زبردستی لقمے اس کے منہ میں دیے۔ دو نوالے اور چائے کا آدھا کپ پیا ہے، اور اس کے بعد منہ کو تالا لگائے بیٹھی ہے۔ اب لنچ میں دس ہزار منتیں کی ہیں۔ اس نے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ عجب مصیبت ہے، اوپر سے بھابھی جان کے فون آرہے ہیں۔ ان کے ساتھ مجھے جیولر کی طرف جانا تھا۔ آج ان کی بچی کا پہلا پہلا کام ہے۔ کیا کہیں گی، میرے نخرے ہی تمام نہیں ہو رہے۔ اب میں انہیں کیا بتاؤں کہ رات کو کیا ایمرجنسی میں آپ نے مجھے فون کر کے کیوں بلوایا تھا۔" سیما ناک تک بیزار ہو چکی تھی شاید۔

"بتا دینا تھا، میری طبیعت اچھی نہیں تھی۔" میں نے جلدی سے اسے سب سے مناسب عذر بتایا۔

"بتایا۔ یہی بتایا اور بھائی جان اور بھابھی دونوں شام کو آپ کی خیریت پوچھنے آرہے ہیں۔ شہلا کو ادھر چھوڑ کر آپ کے پاس، مجھے جیولر کی طرف لے کر جائیں گے ساتھ۔۔۔ اب بتائیں۔"

سیما نے بڑی عجیب سی صورت حال بتائی تھی میں سوچ میں پڑ گیا۔

"آتے ہی وہ اس لڑکی کے بارے میں پوچھیں گے۔ کیا بتاؤں گی میں انہیں اور سچی بات ہے حسان! میرا تو رات سے اس کے ماں باپ کی حالت کا خیال کر کے کلیجہ پھٹا جا رہا ہے ان بے چاروں کی کیسی حالت ہو گی جوان جہان پلی پلائی بیٹی گھر سے چلی جائے اور رات بھر، اگلا دن آدھا گزر گیا۔ وہ تو اسے اور اپنی عزت کو رو پیٹ کر بیٹھے ہو گے۔" میں جانتا تھا سیما اس معاملے میں کتنی حساس ہے اور ہو بھی کیوں نہیں جبکہ۔۔۔

"یہی سوچ کر تو میرا دل جل رہا ہے۔ بیٹیوں کو اتنا بے حس نہیں ہونا چاہیئے۔" میں آہستگی سے بولا۔

"حسان! ساری بیٹیاں بے حس نہیں ہوتیں۔ کچھ تو ماں باپ کی عزت کی خاطر جان پہ کھیل جاتی ہیں۔ اور جو اس کی طرح یہ انتہائی قدم اٹھا کر گھر سے نکل آتی ہیں۔ ان کو بھی شاید اس قدم پر اتنا مجبور کر دیا جاتا ہے کہ اور کوئی راہ انہیں شاید نظر ہی نہیں آتی۔"

سیما تھکے تھکے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ہم دونوں اس موضوع سے بچتے ہوئے اکثر اسی پر آجاتے۔

"حسان! عمار کا کوئی فون نہیں آیا تین چار دن ہو گئے ہیں۔" کچھ دیر خاموشی کے بعد سیما نے موضوع بدلا۔

"بھئی۔ اس کے فائنل سمسٹر ہیں۔ تمہیں اس نے بتا دیا تھا کہ ایگزام کے دوران وہ بہت کم فون کرے گا پھر بھی وہ ہفتے میں دو بار تو کرتا ہی رہا ہے۔ آج کا دن دیکھ لو۔ کل مل کر کر لیں گے۔" میں نے اسے تسلی دی۔

"وہ اب آجائے گا نا پاکستان۔ اس کی اسٹڈیز تو ختم ہو جائیں گی۔ اس سمسٹر کے بعد۔ اس نے آپ سے کہہ رکھا ہے نا!" وہ بے یقین سے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ مجھے کچھ غصہ تو آیا مگر پھر اس کی حالت کا خیال آکر ٹل گیا۔

"ہاں ہاں۔ کیوں نہیں آئے گا۔ وہ تو خود وہاں بہت بے چین ہے آنے کے لیے اور پھر آئے گا تو میرا آفس

سنبھالے گا ورنہ تم دیکھ رہی ہو جس طرح اور جس مشکل سے میں سب کچھ ہینڈل کیے ہوئے ہوں۔ کل یا پرسوں اس سے دوبارہ بات کر لیں گے۔ ویسے اس نے مجھ سے کہہ رکھا ہے، بابا! میں آخری پیپر دیتے ہی نکل آؤں گا۔ میرا اب وہاں دل نہیں لگتا تو ہمیں بھی بار بار ایک ہی بات پوچھ کر اسے چڑانا نہیں چاہیئے۔ میں اب فون بند کرتا ہوں۔ تم بھی کچھ کھا لو اور اس سے بھی پوچھ لو۔ شاید اب بھوک سے مجبور ہو کر کھانے پر راضی ہو ہی جائے۔ اوکے ٹیک کیئر۔ خدا حافظ۔" میں نے جلدی جلدی ساری بات سمیٹتے ہوئے سیما کا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا۔

میں تیزی سے کام نمٹانے لگا اس دوران سیما کے دو فون آئے۔ وہ گھر آنے کو کہہ رہی تھی پھر بھی کام نمٹاتے نمٹاتے شام ہو ہی گئی تھی۔

میں نے درازوں سے اپنا سامان نکالا اور انہیں لاک کرتے ہوئے اٹھ ہی رہا تھا کہ آفس کا دروازہ کھلا۔ میں آدھا اٹھا، آدھا بیٹھا رہ گیا۔

میرے سامنے نیازی۔۔۔ عرفان نیازی بے حد پریشان حال اور اجڑے چہرے کے ساتھ کھڑا تھا، اسے دیکھتے ہی مجھے دن بھر کی کوفت اور غصے کی یاد آگئی کہ اس کی غیر حاضری کی وجہ سے کیسے آج مجھے جگہ جگہ معذرتی فون کرنے پڑے۔ وعدہ خلافی میں اپنے بزنس ہی نہیں زندگی کے ہر معاملے میں بدترین سمجھتا ہوں اور میرے خیال میں میری کامیاب زندگی میں اس سنہیری اصول کا سب سے بڑا ہاتھ ہے۔

"بہت اعتماد تھا مجھے آپ پر نیازی صاحب! آنکھیں بند کر کے آپ پر بھروسہ کرتا تھا میں۔ مگر مجھے افسوس ہے میرا سارا اعتماد، سارا بھروسہ آج آپ کے غیر ذمہ دار رویے کے سامنے چکنا چور ہو گیا آج آپ نے جس غیر

ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے، مجھے افسوس ہے شاید میں آپ کو اس آفس میں مسلسل رکھنے کے فیصلے پر نظر ثانی کروں پلیز کل آ کر تو صبح مجھ سے ملیے گا اس وقت میں جا رہا ہوں۔"

میں اس وقت اپنے غصے اور طیش کی انتہا پر تھا اور پھر بھی بڑی تہذیب کے جامے میں رہ کر اس سے بات کر رہا تھا۔

"سوری۔۔۔ سوری سر! میں قطعاً بھول گیا تھا کہ آج۔۔۔ آج میرا آفس پہنچنا کتنا ضروری ہے اور۔۔۔" وہ سر جھکائے پست آواز میں بولا جیسے اس سے بولا ہی نہ جا رہا ہو۔

"ماشاءاللہ۔ کیا احساس ذمہ داری ہے آپ کو معلوم ہے آپ جس حساس سیٹ پر بیٹھے ہیں۔ اس کے کیا تقاضے ہوتے ہیں، مہینہ بھر لوگ اپنی جان ہلکان کر کے مینہ بارش آندھی طوفان دھوپ گرمی کی پروا کیے بغیر گدھوں کی طرح ادھر آ کر کام کرتے ہیں صرف اس ایک دن کی آس میں کہ انہیں ان کی بے لوث محنت کی اجرت آج کے دن یقیناً مل جائے گی۔

کل سنڈے ہے یعنی دو دن پڑ گئے اور دو دن کسی کی آس لٹک جائے تو کیا ہوتا ہے، آپ کو کیا خبر؟" میں پھولے سانس کے درمیان رکا۔

"اور سب سے بڑھ کر جو مجھے اپنے بزنس کلائنٹس کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑی۔ تین جگہ پے منٹ کرنی تھی آپ حضرت سیٹ پر موجود ہوتے تو ایسا ہو پاتا نتیجتاً مجھے معذرت شرمندگی نیازی صاحب! بزنس ایسے نہیں چلا کرتے۔"

"سورے سر! ویری سوری۔ میں شرمندہ ہوں۔۔۔ اور۔۔۔ ایسا تو پہلی بار۔۔۔" اس نے خشک پپڑی زدہ

ہونٹوں پر زبان پھیری۔ کمرے میں روشن دودھیا لائیٹس میں وہ ایک حد سے زیادہ پریشان حال، کوئی بھوکا پیاسا، مارا مرا پھرنے والا لاچار سا انسان لگ رہا تھا حالانکہ وہ تو بہت خوش لباس خوش اخلاق اور چہرے مہرے سے بھی خوش باش انسان لگا کرتا تھا مجھے کچھ احساس سا ہوا۔

شاید پہلی بار میں نے غصے کی عینک یا پھر اپنے اصولوں کے خود پسند چشمے سے ہٹ کر اسے دیکھا تھا۔

"اس پر مستزاد فون بند، سیل بند۔۔۔ یعنی ہمیں بے وقوف بنایا جا رہا ہے۔" پلٹتا پلٹتا غصہ پھر عود کر آیا اور میں آپے سے باہر ہو گیا۔

"نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ سر۔۔۔!" اس کے پریشان حال چہرے کا رنگ اور بھی اڑ گیا۔ اسے شاید چکر آیا تھا۔ وہ سہارا لینے کو ہاتھ چلاتا ہوا ذرا سا آگے کو بڑھا اور صوفے پر گرتے گرتے زمین پر ڈھے گیا۔

"نیازی صاحب۔۔۔! آپ پلیز یہ کیا کر رہے ہیں؟ آر یو آل رائٹ۔"

میں ذرا گھبرا کر آگے بڑھا۔

بس گرنے کی دیر تھی اور نیازی بازوؤں کے گھیرے میں صوفے کے کنارے پر سر رکھے جو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا کہ میرے تو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے۔

"ارے رے۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ کیا ہوا؟ تم ٹھیک تو ہو؟" میں آگے بڑھا اور جھک کر اسے اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔

"سر! میرا سیل فون تو جانے راستے میں ہی کہیں گر گیا اور۔۔۔ گھر۔۔۔ گھر تو میں گیا ہی نہیں۔۔۔ رات سے۔۔۔ صبح سے ادھر ادھر سڑکوں پر مارا مارا پھر رہا ہوں۔۔۔ کیا کرتا۔ کیا کروں؟" نیازی نے ذرا کی ذرا آنسوؤں

سے بھیگا چہرا اٹھایا اور ہاتھ ملتے ہوئے پھر اسی طرح بازوؤں میں سر دے کر رونا شروع کر دیا۔

"آخر ہوا کیا؟ ایسا کیا ہو گیا جو تمہارا یہ حال ہوا۔۔۔ اور پلیز اوپر بیٹھو۔۔۔ اٹھو نیچے سے۔ شام کا وقت ہے۔ ٹھہرو میں پانی دیتا ہوں تمہیں۔" میں خود دل کا مریض اس کی حالت دیکھ کر خود اچھا خاصا پریشان ہو گیا۔

پانی کے اس نے بمشکل دو گھونٹ پیے اور گلاس پرے رکھ دیا۔ میرے اصرار پر اٹھ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"مجھے تو لگتا ہے۔ تم نے صبح سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں۔" میں اس کے ستے ہوئے ملول چہرے اور اندر کو دھنسی آنکھیں دیکھ کر ہمدردی سے بولا اس نے جھکا ہوا سر مزید جھکا دیا۔

"کچھ کھانے کو منگواؤں؟" اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اچھا اب بتاؤ۔ کیا ہوا؟" میں نے ہمدردی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تو اس کی آنکھیں پھر سے نم ہونے لگیں۔

"آپ سے ایک مشورہ کرنا چاہتا تھا۔" اس نے سنبھلنے میں کئی منٹ لگانے کے بعد آہستگی سے کہا۔

"کیسا مشورہ؟" میں نے ذرا بے تابی سے پوچھا۔

اس نے پھر سر جھکا دیا اور کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا۔

"نیازی! کیا بات ہے جو مسئلہ ہے، کھل کر کہو؟" میں اس کی لمبی سوچ سے زچ آ کر بولا۔

"جب عزت داؤ پر لگی ہو اور جان سے پیاری ہستی کی جان کے لالے بھی پڑے ہوں تو کیا کرنا چاہیئے؟" میں اس کی بے ربط سی بات سے کچھ بھی نہ سمجھا۔

"عزت بچانے کی کوشش کرنی چاہیئے یا زندگی؟"

میں نے ایک گہری نظر اس کے مایوس تاریک چہرے پر ڈالی اور معاملہ مجھے کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگا۔ میرے تنے ہوئے اعصاب یکدم ڈھیلے سے پڑ گئے۔ میں کچھ بھی جواب دیے بغیر صوفے سے پشت لگا کر بیٹھ گیا اس دوراہے پر تو چند ماہ پہلے میں بھی کھڑا تھا۔

بالکل ایسی ہی کشمکش کے بیچ۔۔۔ ہلکان ہوتا ہوا۔۔۔

مگر نیازی اور میرے بیچ ایک فرق تھا۔ اس نے ایسی کشمکش کے دوران بھی ڈوبنے سے پہلے کسی کا ہاتھ تھامنے کی سعی کی تھی جبکہ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا۔ ایسی معمولی سی کوشش بھی نہیں۔ کسی سے مشورہ مانگنے، کسی اور کی رائے جاننے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ تمام معاملے میں خود کو اتھارٹی سمجھتے ہوئے خود ہی سارے فیصلے کیے تھے۔

"میں تھانے جانا چاہتا ہوں آپ کو ساتھ لے کر۔" اس کی آواز خالی کمرے میں کسی بازگشت کی طرح گونجی۔

"کیوں؟ کس لیے؟" میں دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ باہر نکالا اور میرے آگے رکھ دیا۔

میں نے ہاتھ میں لے کر وہ چیز دیکھی۔

وہ ایک تصویر تھی۔ میری نظریں اس پر جیسے چپک کر رہ گئیں۔

"چلیں گے آپ میرے ساتھ؟" اس نے آس بھرے لہجے میں پوچھا تو میں نے تصویر سے نظریں ہٹائے بغیر نفی میں سر ہلا دیا اور تصویر اسے لوٹاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"سوری نیازی! میں جلدی میں ہوں، مجھے گھر جانا ہے۔ تم آ جاؤ میرے ساتھ راستے میں جہاں کہو گے۔۔۔

ڈراپ کر دوں گا۔ اوکے۔"

میں نے اپنا کوٹ، گاڑی کی چابیاں، موبائل اور والٹ پکڑا اور اس کے سیاہ پڑتے چہرے کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل گیا۔

میں نے گاڑی کے پاس کچھ دیر رک کر اس کا انتظار کیا اور پھر گاڑی میں بیٹھ گیا۔

* * *

"تھینک گاڈ! آپ کو گھر کا راستہ تو یاد آیا۔" میں لاؤنج میں داخل ہوا ہی تھا کہ سیما کی چہکتی ہوئے آواز میرے کانوں میں پڑی، میں ہلکا سا مسکرا کر اس کی طرف مڑا اور پھر کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

"بابا جان۔۔۔ بابا جانی۔۔! سرپرائز۔ آئی لو یو بابا جانی!" میرے سامنے مجھ سے نکلتے ہوئے قد والا، قوی اعضا مضبوط چوڑے شانے اور ہینڈسم سراپا لیے مسکراتے چہرے اور چمکتی آنکھوں کے ساتھ میرا بیٹا عمار حسان بانہیں پھیلائے کھڑا تھا۔

میں نے بھینچ کر اسے سینے سے لپٹا لیا۔

وہ بھی شاید میرے سینے سے لگنے لیے خوب ہی ترسا ہوا تھا۔

"ینگ مین یہ کیا سرپرائز ہوا جو بوڑھا، دل کا مریض بابا اتنی بڑی خوشی نہ سہار سکتا اور دنیا سے ہی۔۔۔۔" عمار نے بے ساختہ میرے منہ کے آگے ہاتھ رکھ دیا۔

"بالکل نہیں بابا جانی! ایسی تو کوئی بھی بات نہ منہ سے نکالنی نہ خیال میں لانی ہے آپ کو زندہ رہنا ہے۔ بہت خوشی اور بھرپور زندگی کے ساتھ۔ اب آپ کا بیٹا جو آ گیا ہے اور دیکھیں وہ آنا ہی کیا ہوا جس میں سرپرائز نہ

ہو۔ کیوں ماماجانی!"اس نے چہکتی ہوئی آواز میں پاس کھڑی سیما کو بھی اپنی مضبوط بانہوں کے حلقے میں لے لیا تو میری بے چین نگاہیں بے اختیار مریم کے کمرے کی طرف اٹھیں۔

ہم تینوں کے ملاپ کا یہ منظر میری گڑیا کے بغیر کس قدر ادھورا اور نامکمل تھا کہ ساری خوشی، سارا ولولہ پل بھر میں جیسے کسی گہرے کنویں میں ڈوب گیا ہو، اداسی اور مایوسی کے گہرے کنویں میں۔۔۔

عمار اور سیما نے بیک وقت میری نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور ان دونوں کے چہرے بھی اسی تاثر سے اٹ گئے جو میرے چہرے پر درج تھا۔

میں لڑکھڑاتا ہوا صوفے پر بیٹھ گیا تو عمار بھی میرے ساتھ ہی بیٹھ کر میرے کندھے اور ہاتھ دبانے لگا۔

"اولڈ مین! کیا بات ہے۔ بڑھاپے کو کیوں خود پر طاری کر لیا یہ تو بہادری نہ ہوئی۔"وہ میرے دونوں کمزور ہاتھ اپنے جوان ہاتھوں میں جکڑ کر لاڈ سے پوچھ رہا تھا۔

اور مسکرانے کی کوشش میں میری آنکھیں نم سی ہونے لگیں جنہیں میں تیزی سے جھپکنے لگا۔

"کم آن بابا! بی بریو۔"وہ تو اتنا مجھے سمجھتا تھا کہ میرے دل میں کروٹ لیتی ہر سوچ کو میری آنکھوں سے پڑھ لیا کرتا تھا۔ میں اس کا ہاتھ تھپکتے ہوئے سر ہلانے لگا۔

"کوشش تو کر رہا ہوں۔ اب تم آ گئے ہو نا تو دونوں جوان ایک دوسرے کو مل کر سنبھال لیں گے۔ کیوں اولڈ لیڈی؟"میں نے سیما کے تھوڑے خوش تھوڑے غمگیں چہرے کو دیکھ کر کہا تو وہ بھی مسکرا دی اور سر ہلانے لگی۔

"یہ آپ نے درست کہا باباجان! یہ اولڈ لیڈی آپ جیسے زندہ دل بوڑھے کے ساتھ کچھ سوٹ نہیں

کرتیں۔"عمار نے مسکرا کر کہا تو سیما نے اسے گھور کر دیکھا تو ہم تینوں ہنسنے لگے یہ الگ بات کہ اس ہنسی میں بھی نمی کی آمیزش تھی۔ سیما چائے بنانے کے لیے اٹھ گئی تھی۔

"کب آئے تم۔"میں نے اسے ایک بار پھر اپنے ساتھ لگاتے ہوئے پوچھا۔

"بس دو گھنٹے ہی ہوئے۔"

"اسی لیے تمہاری ماں بار بار فون کیے جا رہی تھی۔ میں سمجھا شاید ہماری محبت میں بے قرار ہوئی جا رہی ہیں۔" میں نے اونچی آواز میں کہتے ہوئے سیما کو چھیڑا۔

"بس ساری زندگی اس شک میں ہی گزار دی یقین نہ کیا۔"وہ بھی کچن ہی سے جواب میں بولی تو ہم دونوں ہنس دیے۔

"ایگزام کیسے ہوئے تمہارے؟"

"اے ون بابا!"وہ بڑی پر شوق نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"مستقل آ گئے ہو نا!"میں نے بلند آواز میں سیما کی تسلی کرانے کو پوچھا تھا اس کے کان ہماری طرف ہی لگے ہوئے تھے۔

"بالکل بابا! مستقل طور پر۔۔۔ بس اب اور پردیس میں نہیں رہا جاتا میرے دل سے تو یہ ملال ہی نہیں جاتا کہ اس پردیس اور اس تعلیم کے حصول کے لیے میں نے کتنا انمول لمحات کھو دیے ہیں کہ۔۔۔"وہ مزید کچھ کہتے کہتے رک گیا اور میں تو چپ ہی ہو گیا۔

عمار نے ایک نظر میری شرمسار چہرے پر ڈالی اور گہرا سانس لیکر صوفے پر سر رکھ کر کچھ سوچنے لگا۔

"تم بیٹھو۔ میں ذرا چینج کرلوں اور فریش ہو آؤں۔" میں اس کا کندھا تھپک کر اٹھ آیا۔

پتا نہیں ابھی میری زندگی میں ایسے احتسابی موڑ اور کتنے آنے ہیں۔ کاش میں تھوڑا سا۔۔۔ تھوڑی سی گنجائش اپنے دل میں پیدا کرلیتا۔۔۔ صلہ رحمی۔۔۔ کیوں اس کی بار بار تاکید کی گئی ہے تو آج یوں عمر بھر کے ملال مجھے گھیرے نہ ہوتے۔

"آ بھی جائیں حسان! چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔" سیما کی آواز مجھے لمحہ موجود میں کھینچ لائی تھی۔

"بابا! آج میں نے بڑی زبردست نئی ریسیپی ٹرائی کی ہے۔ آپ کھائیں گے تو بس۔۔۔ میں بتا رہی ہوں۔ میرا انعام پکا۔" مریم کی آواز سیما کے تعاقب میں ہی آئی تھی۔

"بیگم! آج تو پھر ہماری سلامتی کے لیے دعا کیجیئے گا، آخر آپ کا محبوب شوہر ہوں، وہ بھی عارضہ دل میں مبتلا۔" میری فریاد مریم کی آنکھوں میں آنسو لے آئی۔

"انکل! آنٹی بلا رہی ہیں۔ آجائیں نا۔ چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" وہ میرے سامنے کھڑی تھی جسے میں یکسر بھول چکا تھا۔

مسکراتے ہوئے سر ہلا کر باہر آ گیا۔

وہ ہم تینوں کیساتھ چائے میں شریک تھی۔ لیمن کلر کے سوٹ میں دوپٹہ سر پر لیے سر جھکائے چائے آہستہ آہستہ پیتے ہوئے کئی بار مجھے اس پر مریم کا گمان گزرا۔

چائے کے دوران صرف عمار اور سیما ہی باتیں کر رہے تھے جبکہ ہم دونوں بالکل چپ تھے۔

"میں نے بھابھی کو فون کر دیا ہے اور عمار کو دیکھ کر وہ گلہ ضرور کریں گے کہ میں نے انہیں فون کر کے بتایا

نہیں۔" سیما کہہ رہی تھی اور میں بے دھیان سا کچھ کچھ سن رہا تھا۔

"رات کو کھانے میں کیا ہے؟" میں نے چائے کا خالی کپ رکھتے ہوئے سیما سے پوچھا۔ وہ اٹھ کر جا چکی تھی۔

"ظاہر ہے اب عمار صاحب آئے ہیں تو اہتمام بھی خاص ہو گا۔" سیما نے پیار بھرے انداز میں نے عمار کو دیکھ کر کہا تو وہ کالر کھڑے کرتے ہوئے سر ہلانے لگا۔

"شاید کچھ مہمان بھی آجائیں۔ اس لیے کھانا مقدار میں ذرا زیادہ ہی ہو۔"

"کون سے مہمان؟" سیما نے چونک کر پوچھا۔

"بس آنے ہی والے ہوں گے۔ معلوم نہیں کھانے میں شریک ہوں یا نہیں پھر بھی تم ارینج کر لینا۔" میں کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا، سیما اور عمار باتیں کرنے لگے۔

میں بیڈ روم میں جا کر لیٹ گیا۔

آج کا دن بھی کیسا تھکا دینے والا مگر کتنا خوشیوں بھرا

تھا اور میں ان خوشیوں کو اپنے دل کے بہت پاس محسوس کرنا چاہ رہا تھا۔ اسی لیے تنہا کمرے میں آ کر لیٹ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد عمار چلا آیا میں ذرا سا اٹھ بیٹھ گیا۔

"آفس کیسا جا رہا ہے؟"

"دیکھ لینا۔ دو چار دن میں خود ہی آکر۔ یوں بھی اب میں کچھ تھک سا گیا ہوں، تمہارے حوالے سب کر کے خود کچھ دن مزے سے گزارنا چاہتا ہوں۔"

میں نے مان بھری نظروں سے اسے دیکھا۔یقیناً اسی دن کے لیے تو لوگ بیٹوں کی تمنا کرتے ہیں کہ جب وہ تھکنے لگیں تو ان کے بیٹوں کے توانا بازو ان کا سہارا بن جائیں اور بیٹیاں؟ میرے دل میں دردناک سی ہوک اٹھی۔

"کیسا دل سے ان کا رشتہ ہوتا ہے بالکل الگ بالکل جدا۔۔۔بیٹوں سے ہٹ کر ان کی الگ ہی جگہ ہوتی ہے۔۔۔اس دل میں۔۔۔مریم۔۔۔"

"ہرگز نہیں بابا جان! روز میرے ساتھ ہی آفس جانا پڑے گا۔پتا ہے نا، کاہلی آدمی کو زنگ لگا دیتی ہے۔آپ کو کاہل نہیں ہونے دوں گا میں۔"

"عمار! تمہارا فون ہے۔بیٹا! جواد کو پتا تھا تمہارے آنے کا۔وہی ہے فون پر۔"سیما نے اندر آکر بتایا تو وہ یس کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

"آپ اندر آکر کیوں لیٹ گئے؟"

"بس یونہی تھک سا گیا تھا۔تم نے مجھے عمار کی آمد کے بارے میں بتایا ہی نہیں۔"مجھے یاد آیا تو میں نے کہا۔

"اتنا تو فون کیا۔آپ ریسیو ہی نہیں کر رہے تھے۔میں تو کچن میں مصروف تھی۔گیٹ کھلا ہی تھا۔شریف کچھ سامان لینے گیا تھا کہ ماما، ماما کی آواز پر میں چونک کر باہر نکلی۔لاؤنج، پورے گھر میں کوئی بھی نہیں تھا۔میں حیران سی مریم کے کمرے کا ادھ کھلا دروازہ کھول کر اندر کی طرف بڑھی تو عمار اسے مریم سمجھ کر بلا رہا تھا اسے میں نے مریم کے کپڑے جو پہننے کے لیے دیے تھے اور اس کی شکل دیکھتے ہی عمار۔۔۔میں بتا نہیں سکتی۔میرے بچے کے چہرے پر دکھ کی کیسی کیفیت تھی۔دونوں بہن بھائی میں کتنا پیار تھا، کہنے والی بات ہے نہ

جتانے والی۔وہ تو اس روز بس دو ہی دن کے لیے آسکا تھا۔۔۔غم سے، جدائی سے تو اس کا دل ابھی بھی بھرا ہوا ہے۔میرے آپ کے سامنے بہادر زندہ بنا پھرتا ہے ورنہ۔۔۔"سیما دوپٹے سے ناک رگڑنے لگی تو میں گم صم سا ہو گیا۔

ہم دونوں کے بیچ پھر خاموشی آگئی تھی۔

"ابھی بھی کل کی بات لگتی ہے آٹھ مہینے۔۔۔یقین ہی نہیں آتا کہ وہ چلی گئی ہے ہمیں چھوڑ کر۔۔۔ہمیشہ کے لیے۔۔۔کیسے یقین آئے وہ۔۔۔وہ تو اس گھر کی رونق تھی۔۔۔ہماری کل خوشی۔۔۔میری زندگی، میری جان۔۔۔"سیما بکھر کر بے قابو ہونے کو تھی جب باہر سے عمار کی آواز سنائی دی۔

"ماما! ماموں جان کا فون آرہا ہے۔کہیں تو اٹینڈ کر لوں یا نہیں آنے پر ہی سرپرائز دوں۔"وہ دروازے میں کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"میں دیکھتی ہوں۔"وہ چہرہ پونچھتی باہر نکل گئی تو عمار بھی اس کے ساتھ ہی چلا گیا۔

سارے کمرے میں مریم اور سیما کی سسکیاں گونجنے لگی تھیں۔ان کی بوجھل سسکیاں اور ہچکیاں۔۔۔کمرہ اتنا بھر گیا کہ میرا دم گھٹنے لگا۔

میں لمبے لمبے سانس کھینچتے ہوئے خود کو گھسیٹتا باہر نکل آیا۔

وہ دونوں لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

"سیما مجھے چائے کا ایک بنا کر باہر بھجوا دو۔میں باہر لان میں ہوں۔"میں کہتا ہوا تیزی سے باہر نکل آیا۔

باہر گہری شام ہو چکی تھی بلکہ رات اپنے پر پھیلائے افق کے سب کناروں پر چھا گئی تھی۔

میں نڈھال سا کرسی پر گر گیا اور کھلی فضا میں خوب گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

"بابا! آر یو آل رائٹ؟" مریم چپکے سے میرے ساتھ پڑی کرسی پر آ بیٹھی۔ اور میرا سانس رک سا گیا۔

میں یک ٹک اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور وہ سفید کالج کے یونیفارم میں اپنا کھلا کھلا سا چہرہ لیے میری طرف دیکھ رہی تھی اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا مگر آنکھوں میں گہری سیاہ اداسی تھی جیسے یہ سیاہ شام اس کی آنکھوں میں اتر آئی ہو۔

وہ مسکرا رہی تھی مگر مجھے لگا۔ وہ رو رہی تھی۔ ہولے ہولے میں اس کی سسکیاں سنائی دینے لگیں۔

"مر۔۔۔ مریم۔۔۔ تم رو رہی ہو؟" میرے لب کپکپائے تو وہ منہ کھول کر کچھ کہنے لگی اور پھر چپ کر گئی۔

اس کی آنکھوں سے گہری شام آنسوؤں کی صورت میں ٹپک رہی تھی اور میرے دل میں درد کی لہریں کروٹ لے رہی تھیں۔ میں سینے پر ہاتھ رکھے اسے تکے جا رہا تھا۔

***

"بابا! جلدی کریں نا۔ مجھے کالج سے دیر ہو رہی ہے۔" وہ یونیفارم میں تیار اپنے سیاہ لمبے سلکی بالوں کی ڈھیلی ڈھالی چوٹی بناتی کیچر لگاتی میرے سامنے آ کر بولی تھی۔ میں نے اخبار ایک طرف رکھ دیا۔

"میں تو دس منٹ سے تیار بیٹھا ہوں۔ بس ہماری پرنسس کی تیاریاں ہی تمام نہیں ہو رہیں پھر پریڈ چھوٹ جانے کا الزام بھی بابا کے سر آئے گا۔" میں نے محبت سے اسے تکتے ہوئے کہا۔ اس کی دودھیا رنگت میں ہلکی پیلاہٹ تھی اور کمزور تو وہ شروع ہی سے تھی۔

وہ پری میچور بے بی تھی اور ہم دونوں نے پھر اس کے بعد اسے اپنے ہاتھ کا چھالا ہی بنائے رکھا تھا مگر اس کی

جسمانی کمزوری اچھی سے اچھی خوراک، توجہ اور محبت سے بھی دور نہ ہو سکی تھی مگر پھر بھی ان دنوں اس کی صحت پہلے سے بہت اچھی اور پیلی رنگت میں ہلکی ہلکی سرخی تیرتی نظر آنے لگی تھی۔

میں نے نظر لگ جانے کے ڈر سے نظریں اس کے چہرے سے ہٹا لیں۔ وہ اپنا بیگ چیک کر رہی تھی، جب سیما نے زبردستی اسے دودھ کا گلاس پلانے کی کوشش کی۔

"پلیز ماما! صبح صبح نہ دیا کریں مجھ۔ کم از کم دودھ نہیں میں نے سلائس لے لیا ہے بٹر کیساتھ۔ دودھ پیوں گی تو الٹی آجائے گی یوں بھی مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

اس نے جان چھڑانے کو آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ مجھے پتا تھا۔ سیما اس کی کوئی دلیل نہیں مانے گی۔ اور یہی ہوا۔ مریم کو آدھا گلاس تو پینا ہی پڑا اور وہ برے برے منہ بناتی میرے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھی۔

"جب تمہیں معلوم ہے۔ تمہاری ماما تمہیں دودھ پیے بغیر کالج نہیں جانے دیں گی تو پھر تم پہلے ہی ان کی بات کیوں نہیں مان لیتیں۔" میں نے اس کے منہ کے زاویے دیکھتے ہوئے اسے چھیڑا۔

"ماما اپنی عادت سے مجبور ہیں بابا! ذرا میں اپنی سے۔ اس لیے کچھ نہیں ہو سکتا اور یہ دودھ مائی گاڈ! رات کو بھی زبردستی جب تک میں پورا کپ پی نہ لوں۔ ماما نے تو بس مجھے بالکل ہی دودھ پیتی بچی سمجھ لیا ہے۔ پلیز بابا! کسی طرح میرا اس دودھ سے جان چھڑائیں۔"

اسے شروع ہی سے دودھ پسند نہیں تھا۔ شیر خواری کے علاوہ ہم باقی کے سال بہلاتے پچکارتے کھلونوں اور آؤٹنگ کا لالچ دلاتے دودھ پلاتے رہے تھے مگر اب جب وہ ان بہلاوؤں اور لالچ کی عمر سے نکل آئی تھی۔ کھانے پینے کے معاملے میں بہت تنگ کرنے لگی تھی۔

"بھئی۔ تم تو ہم دونوں کے لیے ابھی بھی دودھ پیتی بچی ہو بلکہ پرابلم چائلڈ اگر تم خود سے نارمل بچیوں کی طرح کھانا پینا شروع کردو تو تمہاری ماں کی آدھی ٹینشن ختم ہو جائے گی۔" میں بھی معاملے میں اس کی حمایت نہیں کرتا تھا۔

"واٹ! آپ کا مطلب ہے باباجانی! میں نارمل نہیں۔" وہ اپنی سیاہ آنکھیں پھیلا کر خفگی سے بولی تو میں ہنس دیا۔

"ایسی بات نہیں میری بیٹی تو بہت اسپیشل ہے۔"

میں نے اس کا جی بڑھانے کو ہنس کر کہا تو اسے اور ہی غصہ آگیا۔

"یعنی اسپیشل۔۔۔پرابلم چائلڈ۔۔۔بابا! آپ کا مطلب کیا ہے ان دونون ٹرمز کا۔" وہ آنکھیں نکال کر بولی تو مجھے احساس ہوا میں زیادہ لاڈ جتانے کے چکر میں خاصے آکورڈ الفاظ استعمال کر رہا تھا۔ کھسیاہٹ چھپانے کو ہنس دیا۔

بھئی سیدھا سا حل ہے۔ خود سے کھا پی لیا کرو اور بس۔" میں نے جان چھڑانے کو کہا تو وہ منہ پھلا کر بیٹھی گئی۔ اور کالج تک مجھے اسے مختلف حیلوں سے منانا پڑا وہ ایسی ہی تھی۔ پل بھر میں خفا تو پل میں خوش۔۔۔اور اس کی خوشی میں، اس کی ہنسی میں ہم دونوں میاں بیوی اور عمار کی جان تھی جب سے عمار ہائر اسٹڈیز کے لیے باہر گیا تھا۔ ہم دونوں کی توجہ کا مرکز مریم ہی بن کر رہ گئی تھی۔

پھر وہ عادتوں کی اتنی پیاری تھی کہ ہمارے بے تحاشا لاڈ پیار نے اسے بگاڑا نہیں تھا۔ اسے بھی ہم دونوں سے اتنا ہی پیار تھا جتنا شاید ہم دونوں کو۔ وہ کبھی کوئی بے جا ضد نہیں کرتی تھی۔ عام لڑکیوں کی طرح اسے بے

تحاشا کپڑوں، جوتوں، یا جیولری کا بھی شوق نہیں تھا۔ نہ وہ موویز اور دوسری اس طرح کی سرگرمیوں کی رسیا تھی نہ اس کا بہت وسیع حلقہ احباب تھا، نہ زیادہ دوستوں کے گھر آنا جانا نہ انہیں زیادہ بلانا۔ اس معاملے میں میں اور سیما دونوں ہی تھوڑے سخت تھے اور اس نے کبھی اپنی حدود کراس کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

ہم دونوں کے دلوں میں اس کی بڑی خاص جگہ تھی۔

مگر یہ خاص جگہ اس دن ہل کر رہ گئی جب میں نے پہلی بار اسے ایک باپ۔۔۔ایک غیرت مند، سخت گیر باپ کی نظر سے دیکھا ورنہ تو وہ میرے لیے ایک خوبصورت گڑیا کی طرح تھی جو ہم دونوں کا دل پسند کھلونا تھی۔

مریم کو کالج میں ہی ڈراپ کیا کرتا تھا۔ کبھی کبھار پک بھی کر لیا کرتا تھا سیما جا کر اسے لے آتی مگر شہر میں بڑھتی ہوئی ٹریفک کی وجہ سے سیما ڈرائیو کرنے سے خاصی گھبرانے لگی تھی جب سے اسے بی پی کا پرابلم ہوا تھا جب ہم دونوں میں سے کوئی بھی نہ جا پاتا اس پک کرنے تو وہ عموماً پبلک کنوینس سے بھی آجایا کرتی تھی اور ہم نے اس میں کوئی خرابی یا برائی محسوس نہ کی تھی۔

مگر شاید ایسا اندھا اعتماد بھی اچھا نہیں ہوتا، خاص طور پر بیٹیوں کے معاملے میں ایک آنکھ چوکنی رکھنی چاہیئے مگر ہماری تو دونوں آنکھوں پر اس کے پیار اور اندھے اعتماد کی پٹی بندھی تھی۔

اور بات شاید یہ بھی نہیں تھی ہر عمر کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں اور جوانی کے۔ جوانی کے تقاضے تو عمر کے ہر دور سے جدا اور نرالے ہوتے ہیں، آدمی وہ کچھ کر گزرنے کی سوچنے لگتا ہے جس کا اس نے کبھی گمان تک نہ کیا ہوتا۔

مریم کا اس لڑکے کیساتھ کیا تعلق تھا، اور یہ تعلق کس حد کے اندر داخل ہو چکا تھا، مجھے اس کا اندازہ ان دونوں کو بے تکلفی سے ایک ساتھ بائیک پر بیٹھے دیکھ کر ہو گیا تھا۔

لڑکا شکل صورت کا برا نہیں تھا اور جیسی خوشی ایک من پسند دوست کی ہمراہی میں چہرے پر جھلک سکتی تھی۔ اس خوشی نے اس کے چہرے کو اور بھی دلکش بنا دیا تھا۔ دیکھنے میں وہ اچھا خاصا ہینڈسم اور گڈ لکنگ لڑکا تھا اور مریم۔۔۔ مریم۔۔۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے بائیک سے ٹکراتی ہوا کے زیر اثر چہرے پر آتی بے تکلف لٹوں کو سلجھاتی ہنستی مسکراتی اس سے باتیں کر رہی تھی اور انمول خوشی کی ویسی ہی چمک اس کے چہرے کو بھی دیدہ زیب بنائے ہوئے تھی۔

اور مجھے لگا، کسی نے ساری سڑک کی ٹریفک میری گاڑی کے اوپر چڑھا دی ہو۔

میرا سینے میں اٹکا سانس باہر نہیں نکل پا رہا تھا۔ وہ دونوں ہنستے باتیں کرتے ایک دوسرے میں گم ارد گرد سے بے خبر میری گاڑی کے پاس سے گزر بھی گئے یوں جیسے مجھے روند کر گئے ہوں اور میں جیسے اپنے حواسوں ہی میں نہیں تھا۔

میری لاڈلی بیٹی اس طرح میرے اعتماد کے پرخچے اڑائے گی، مجھے اس کا رتی برابر بھی گمان نہیں تھا۔

اس شام میں کیسے گھر پہنچا مجھے نہیں معلوم۔۔۔ اور یہ تو مجھے گھر میں داخل ہونے کے بعد یاد آیا کہ یہ کالج ٹائم بھی نہیں تھا۔

"مریم کہاں ہے؟" میں کن حالوں میں گھر میں داخل ہو کر چلایا تھا، مجھے نہیں پتا تھا۔

سیما آٹے میں لتھڑے ہاتھ لیے کچن سے نکلی اور مجھے کچھ حیرانی سے دیکھنے لی۔

"اپنے کمرے میں ہے۔" وہ کچھ دبی ہوئی آواز میں بولی۔

"مریم۔۔۔ مریم!" وہ کسی خونخوار شیر کی طرح دھاڑا تو وہ اپنے کمرے سے حیران سی نکلی۔

"تم آج کالج سے واپسی پر کس کے ساتھ آئی تھیں؟" میں غصے میں پاگل ہو رہا تھا صرف اس کے جواب کا منتظر اس کے پاس کھڑا تھا کہ۔۔۔

میرے چہرے پر کیا درج تھا یا اس کا دل کا چور سامنے آ گیا تھا۔ وہ بدک کر ذرا سی پیچھے ہوئی۔

"بولو۔ کس کے ساتھ آئی تھیں تم؟" اس کی خاموشی پر میرے بدن میں جیسے کوئی گولہ سا پھٹ گیا۔

"کیا ہوا؟ کیا ہو گیا ہے؟ ظاہر ہے میں اور آپ پک کرنے نہیں گئے تو پبلک کنوینس ہی سے آئی ہو گی۔" سیما نے کچھ ڈر کر ہولے سے کہا۔

"شٹ اپ! تم چپ کرو۔ بولو تم کس کیساتھ آئی تھیں؟" میں دھاڑ کر عین اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"وہ۔۔۔ بابا۔۔۔ وہ۔۔۔ وین۔" وہ میرے غصے سے خائف ہو کر ہلکا ہلکا کانپنے لگی تھی۔

"جھوٹ مت بولنا۔۔۔ سنا تم نے۔۔۔" میں نے قہر بھرے انداز میں انگلی ہوا میں اٹھا کر اسے متنبہ کیا تو اس کی نظریں جھک گئیں۔

یہ اس کا اعتراف جرم تھا۔

"کون تھا وہ بولو؟" اب میں نے یہ نہیں پوچھا کہ وہ کیسے آئی تھی۔ اس کا جھکا سر مجھے اس سوال کا جواب دے چکا تھا۔

"وہ۔۔۔ وہ بابا۔۔۔! میرا کلاس فیلو۔۔۔" اس نے لرزتی آواز میں کہنا چاہا۔

"تم اس حد تک گر جاؤ گی۔ ہماری عزت، ہمارے اعتماد کی دھجیاں اڑاتی یوں اس آوارہ لڑکے کیساتھ بائیک پر بیٹھی ہماری عزت کو روندتی پھرو گی بے حیا لڑکی!"

غصہ۔۔۔ طیش۔۔۔ غضب کی ایسی منہ زور لہریں تھیں جو لگتا تھا، میرے سارے وجود کو کسی گہرے سیال میں بدل کر بہانے جائیں گی۔

"کک۔۔۔ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" سیما گھبرا کر اس کے آگے ہوئی۔

"پوچھو اس بے غیرت سے یہ صلہ دیا ہے اس نے ہمارے اعتماد ہماری محبت کا، یوں سر عام ایک انجان لڑکے کے ساتھ لگی کس طرح ہنس ہنس کر باتیں کرتی ہماری عزت کا جنازہ نکالتی جا رہی تھی۔ پوچھے اس سے بے حیا سے۔۔۔ کس کس نے نہ دیکھا ہو گا اسے یوں کسی آوارہ لڑکی کی طرح کسی اجنبی غیر لڑکے کی کمر کندھے پر ہاتھ رکھے۔۔۔ اچھا۔۔۔ اچھا کرتے تھے لوگ جو بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ زمین میں گاڑ دیا کرتے تھے کم از کم اس رات سے تو بچ جایا کرتے تھے جو یہ بیٹی ذات ماں باپ کی قسمت میں لکھنے کے لیے جوان ہوتی ہے۔۔۔ اور آج وہ بد قسمتی لکھی گئی ہماری قسمت میں بھی۔ لو پڑھ لو اس کے بدبخت سیاہ چہرے سے یہی سیاہی اس نے ہمارے منہ پر مل دی ہے، دفع ہو جاؤ میرے سامنے سے احسان فراموش۔۔۔ میں زندہ رہا تو زندگی بھر اس کی شکل نہیں دیکھوں گا لے جاؤ اسے میرے سامنے سے جاؤ۔"

میں اپنے سینے میں اٹھتے درد کو دباتا پیچھے پڑے

صوفے پر گر گیا تھا۔

"بابا پلیز۔۔۔ یوں نہ کریں بابا! میں نے کچھ نیں کیا۔۔۔ خدا کی قسم بابا! آپ کے سر کی قسم بابا! وہ میرا

صرف کلاس فیلو ہے۔۔۔ کوئی کنوینس نہیں مل رہی تھی تو مجھے مجبور ہو کر۔۔۔" وہ آکر کروتے ہوئے میرے قدموں میں گر کر گڑگڑانے لگی۔

"چٹاخ!" میں نجانے کیسے سیدھا ہوا اور پوری طاقت کیساتھ ایک زوردار ہاتھ اس کے چہرے پر مارا وہ کسی بے جان چیز کی طرح دور تک لڑھکتی چلی گئی۔ اس کے ہونٹوں سے سرخ سرخ خون نکل پڑا تھا اور آنکھیں ایک دم سفید پڑ گئی تھیں۔ وہ حق دق پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"دفع ہو جاؤ۔ اس سے کہو یہاں سے چلی جائے میں زندگی بھر اس کی شکل نہیں دیکھوں گا۔" میں سینے پر ہاتھ رکھے دوہرا ہو کر چلایا تو سیما اسے پکڑ کر وہاں سے لے گئی۔

اور میں اپنے سینے میں درد کے اس ٹھاٹھیں مارتے سمندر میں ہاتھ پاؤں مارتے خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔ میری آنکھوں کے آگے بار بار وہی منظر ری وائنڈ ہو کر آ رہا تھا اور درد بڑھتا جا رہا تھا میں نڈھال ہو کر ہوش و خرد سے بے گانہ ہو گیا۔

***

"بابا۔۔۔ بابا! مجھے معاف کر دیں بابا پلیز!" میں گہری نیند سے اس آواز سے جاگا تھا۔ وہ میرے پاؤں سے لپٹی ان پر گرم گرم آنسو گراتی دھیمی آواز میں مچل مچل کر کہہ رہی تھی۔

آج کتنے دنوں بعد میری طبیعت سنبھلی تھی۔ دو دن مجھے اسپتال بھی رہنا پڑا تھا دل کا درد تو ٹھیک ہو گیا تھا مگر جیسے مریم کی طرف سے میرے سینے میں دل کی جگہ کسی نے پتھر گرایا تھا۔

میں اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا نہ اس کی آواز سننا چاہتا تھا۔ وہ جس کی شکل مجھے دنیا میں سب سے پیاری

تھی، اسی سے مجھے دل کی گہرائیوں سے نفرت ہو گئی تھی۔ اور وہ آواز جو مجھے دنیا میں سب سے زیادہ سریلی، سب سے پیاری لگتی تھی۔ میں اس آواز کو سن کر بہرا بن جانے کی تمنا کرنے لگا تھا۔

"سیما! اس سے کہو چلی جائے یہاں سے ورنہ میں اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لوں گا۔"

میں نے ہلکے اندھیرے میں کرسی پر بیٹھی سیما سے ترش لہجے میں کہا تو وہ زبردستی اسے میرے پیروں سے جدا کر کے وہاں سے لے گئی۔

میں اس کے بارے میں سوچتا تو جیسے میری رگوں میں خون کی جگہ آگ دوڑنے لگتی۔ ان دونوں کے ہنستے مسکراتے، بے باک چہرے مجھے آگ کی لپٹوں میں سلگانے لگتے اور میرا جی چاہتا۔ مین اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹ دوں۔

"حسان! اس کا جرم اتنا بڑا نہیں۔ اس روز واقعی شہر میں پبلک کنوینس کی جزوی ہڑتال تھی، وہ گھنٹہ بھر سے اسٹاپ پر کھڑی تھی اور سیل وہ گھر بھول گئی تھی ورنہ مجھے یا آپ کو کال کر لیتی۔۔۔" سیما نے ساتویں روز دبے الفاظ میں اس کی حمایت کا پہلا صفحہ کھولا اور میں بھڑک گیا۔

"اگر تم اس کی بے غیرتی کی حمایت کرو گی تو میں تمہیں اپنی زندگی سے کھرچ کر یوں پھینک دوں گا جیسے تم میری زندگی میں کبھی شامل ہی نہیں ہوئی۔" میں نے اتنی نفرت سے کہا کہ سیما پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھتی رہ گئی۔

اسے مجھ سے اتنی سختی اتنی نفرت کی توقع نہیں تھی وہ سر جھکا کر بہت دیر بیٹھی رہی مگر پھر مریم کی حمایت میں ایک لفظ بھی نہ بولی۔

اگلی صبح مریم تیار ہو کر کالج جانے لگی۔ میں کمرے میں لیٹا گھر کے اندر سے آنے والی آوازوں کو سن رہا تھا۔

"سیما!" میری للکار پر وہ لپک کر آئی تھی۔ "اس سے کہو یہ آج کے بعد کالج نہیں جائے گی۔"

مریم دروازے کی اوٹ میں کھڑی تھی۔ مجھے معلوم تھا۔

"پر اس کے ایگزام۔۔۔" سیما بدبدائی اور میرے چہرے کو دیکھ کر چپ کر گئی۔

"تم اپنے بھائی سے کہو۔ ہم بلال کے لیے اس کا رشتہ کرنا چاہتے ہیں اور مہینہ بھر میں شادی۔۔۔ آج جا کر ان سے بات کرو۔" میری اگلی بات پہ وہ اچھل ہی پڑی۔

"حسان کیسی باتیں کر رہے ہیں؟" وہ خاصی دیر بعد بولی۔

"اس کے زندہ رہنے کی یہی صورت ہے ورنہ اس سے کہو۔۔۔ مر جائے۔"

آج سوچتا ہوں تو اپنی شقی القلبی پر حیرت زدہ رہ جاتا ہوں۔ میں اتنا ظالم، اتنا کٹھور کیسے بن گیا۔

دروازے کی اوٹ میں کھڑی مریم روتی ہوئی بھاگ گئی۔

"حسان! اپنے منہ سے بیٹھی کا رشتہ لیکر جاؤں، کیسی باتیں کر رہے ہیں؟" سیما نے نرمی سے مجھے سمجھانا چاہا۔

"نہیں لے جا سکتیں تو پھر اسے زہر دے دو یا کسی اندھے کنواں میں دھکا۔" میں سنگ دلی سے بولا۔

"ایسا کیا کر دیا ہے اس نے جو آپ۔۔۔" وہ تلخی سے بولی اور چپ کر گئی۔

"یوں کرو، اسے ذرا کھلا چھوڑ دو پھر دیکھو کیا کیا نہیں کرتی تمہاری یہ معصوم بیٹی!" میں سفاکت سے بولا اور سیما پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"ابھی میں زندہ ہوں۔ مر جاؤں گا تو جی بھر کر رونا پیٹنا اور بین کرنا۔" میں نفرت غصے اور پاگل پن کی انتہا پر تھا۔ مجھے کسی کی محبت، کسی رشتے کی گہرائی محسوس ہی نہیں ہو رہی تھی۔

بس ایک ہی منظر، ایک ہی پل نظروں میں، دماغ میں کندہ ہو کر رہ گیا تھا جس نے مجھے پاگل کر رکھا تھا۔

"میں نے دبے لفظوں میں بھائی جان اور بھابی سے بات کی تھی۔ وہ ہنس کر ٹال گئے۔ میرے اصرار پر انہوں نے بلال اور مریم کی تعلیم کا بہانہ کر دیا۔۔۔ میں نے محض رشتہ طے کرنے یا بات پکی کرنے کا کہا تو بھابی نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ وہ اپنی بھانجی بلال کے لیے پسند کر چکی ہیں تو میرے بولنے کی پھر گنجائش ہی نہ رہی۔"

اگلی شام سیما شرمندہ کچھ دکھی سر جھکائے مجھے بتا رہی تھی۔

"پھر اس سے کہو جس سے محبت کی پینگیں بڑھاتی شہر بھر کو بے حیائی کا تماشا دکھاتی جا رہی تھی۔ اس سے کہے کہ اس سے دو بول پڑھا کر لے جائے۔" میری نفرت اور غصے میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ سیما نے دکھ بھری نظروں سے مجھے دیکھا۔

"حسان! وہ محض اس کا کلاس فیلو ہے۔"

"جھوٹ۔ صریحاً جھوٹ۔ میری نگاہیں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ ان دونوں کے تعلقات کس دائرے سے نکل کر کس حد میں داخل ہو چکے ہیں۔ میں دیکھ چکا ہوں۔ کرو بات اپنی لاڈلی سے جا کر۔"

میں اس طرح کہہ رہا تھا جیسے وہ میری سوتیلی تو کیا دور پرے سے بھی کچھ نہیں لگتی سیما مجھے دیکھ کر رہ گئی۔

اور میرا اندازہ درست نکلا وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند بھی کرتے تھے۔

"دیکھا۔ کیا کہا تھا میں نے۔ بلاؤ اس لڑکے کے ماں باپ کو اور کہو، اسے لے جائیں یہاں سے۔" میں یوں حقارت سے بولا جیسے گھر کچرا اٹھوانے کو کہہ رہا ہوں۔

"بابا! کسی کو پسند کرنا جرم نہیں مگر یہ پسندیدگی۔۔۔ ہم دونوں کے درمیان ابھی ڈسکس نہیں ہوئی تھی اور میں۔۔۔" وہ نہ جانے کیسے جرات کر کے میرے سامنے آگئی تھی۔

مجھے یوں لگا جیسے مریم کی جگہ کوئی ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو۔

دس ہی دنوں میں وہ آدھی بھی نہیں رہی تھی۔ اور بڑی بڑی سفید پڑتی آنکھوں کے گرد سیاہ بڑے بڑے حاشیے تھے۔ دودھیا پیلاہٹ کھلے رخسار اندر کو دھنس گئے تھے۔ وہ صدیوں کی بیمار لگ رہی تھی۔

پہلی بار میرا دل اپنی جگہ سے ہلا۔

"تو اب کر لو ڈسکس۔ لو فون کرو اور اسے بلا لو۔" میں نے نرم پڑتے دل کو دھکا دے کر پرے ہٹایا اور سرہانے پڑا فون اس کے آگے کر دیا۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے سفید پڑ گئی تھی۔

"بس کریں خدا کے لیے ایسا کوئی پہاڑ نہیں توڑ دیا اس نے۔" سیما بیٹی کی حالت دیکھ کر رو ہی پڑی۔

"میں نے تو ایک بار ہی دیکھا تھا اس کے ساتھ اسے۔ اس سے پوچھو، پہلے کتنی بار ہماری آنکھوں میں دھول جھونک چکی ہے یہ۔"

وہ اٹھ کر میرے بستر کے پاس آگئی۔

"بابا! آپ کا بس مجھ پر اتنا ہی بھروسا تھا۔ اتنا ہی اعتماد تھا آپ کو اپنی بیٹی پر۔" وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں پوچھ

رہی تھی۔

"تم پر مجھے اندھا اعتماد تھا اور تم نے میرے اعتماد کو چکنا چور کر دیا ہے۔ اب تم سونے میں بھی ڈھل کر آ جاؤ۔ میرا اعتماد تم پر بحال نہیں ہو سکتا۔ میں تمہاری صورت دیکھتا ہوں تو۔۔۔ چلی جاؤ میرے سامنے سے۔۔۔"

میں نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

"بابا! آپ کے اعتماد کے بغیر، منہ چھپا کر زندہ تو شاید میں بھی نہ رہ سکوں۔" وہ اٹک اٹک کر بولی اور الٹے قدموں میں باہر نکل گئی۔

"حسان! بس کریں معاف کر دیں اس کو۔ پلیز خدا کے لیے۔" سیما نے میرے آگے ہاتھ جوڑ دیے تو میں چپ کر گیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم اسے جلد سے جلد کہیں بھی رخصت کرنے کا انتظام کرو۔ میں اپنے دل کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں مگر اس سے کہو، میرے سامنے نہ آئے بس۔"

میں نے اپنی طرف گنجائش پیدا کرتے ہوئے کہا تو سیما پتھرائی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھ کر رہ گئی۔

میں کیا کرتا۔ لاکھ سمجھانے پر بھی میرا دل اس کی طرف سے صاف نہیں ہو رہا تھا۔

اور دکھ۔۔۔ کیا مجھے دکھ نہیں تھا؟ میں چھت کو تکتے ہوئے سوچنے لگا۔

***

"بلقیس خالہ کے دیور کا بیٹا۔۔۔ میٹرک شاید فیل ہے کہ پاس۔ اپنی دکان ہے اس کی الیکٹرونکس کی۔ کھاتے پیتے لوگ ہیں۔ سات بہن بھائی، سب سے بڑا امتیاز اور یہ لوگ مہینے کے اندر شادی کر لیں گے۔۔۔ خالہ

بلقیس میرے اصرار پر خاصی مشکوک ہو رہی تھیں مگر آپ کی بیماری اور۔۔۔ حالت۔۔۔ کا سن کر دیکھ کر کچھ قائل تو ہو گئی اور ان لوگوں کو بھی قائل کر لیا۔ آج شام کو وہ ڈیٹ فکس کرنے آئیں گے۔ اس مہینے کی کوئی بھی تاریخ جو آپ کہیں۔"

وہ رنجیدہ شکست خوردہ سی مجھے یوں بتا رہی تھی جیسے میں سنتے ہی اٹھ کر خوشی سے ناچنے لگوں گا۔

مریم اس دن کے بعد میرے سامنے نہیں آئی تھی میں اب ایک دو گھنٹوں کے لیے آفس بھی جانے لگا تھا۔ گھر کے اندر بھی پھرنے لگا تھا مگر اس کے کمرے کا دروازہ بند ہی رہتا۔

میرا دل بار بار بے چین ہوتا۔ ایک بار اسے دیکھوں تو سہی۔ اس نے کالج جانا بھی چھوڑ دیا تھا۔

"کھانا پینا سب چھوڑ رکھا ہے اس نے۔۔۔ برسوں کی بیمار لگنے لگی ہے آپ ہی اسے بلائیں۔ اب تو اس نے چلے جانا ہے اس گھر سے۔" سیما کی بات پر میرا دل تڑپ اٹھا مگر بظاہر پتھر بنا رہا۔

اور امتیاز، اس کے گھر والوں کو دیکھ کر میرے پتھر دل کو زور کی ٹھیس لگی تھی۔

وہ نارمل سے بھی گئی گزری شکل کا پختہ عمر کا اور پکے رنگ والا شخص تھا جسے جوان تو نہیں کہا جا سکتا تھا۔ وہ کسی بھی طرح مریم کے ساتھ سوٹ نہیں کرتا تھا۔

سیما تو اسے دیکھتے ہی گنگ ہو گئی تھی اور بولا مجھ سے بھی کچھ نہیں گیا تھا۔

صرف خالہ بلقیس ہی اس کے کاروبار کے بارے میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہی تھی اور ہم

دونوں بے دھیانی سے بیٹھے کچھ اور ہی سوچ رہے تھے۔

"اے سیما بیٹی! بچی کو تو بلاؤ۔" بلقیس خالہ کو یاد آ ہی گیا کہ وہ ادھر کیوں آئی ہیں۔

وہ پیلے جوڑے میں منہ تک آگے کیے وہ ہوئے آنچل میں ہڈیوں کا ڈھانچہ لگ رہی تھی۔

"اے ہے کیا بچی کو کھلاتی پلاتی نہیں۔" بلقیس خالہ اسے دیکھتے ہی بولیں۔

"خالہ! مجھے تو کوئی بیماری لگتی ہے اسے۔ کوئی ٹی بی شی بی۔۔۔" امتیاز کی ماں نے بلقیس خالہ کے کان میں بلند آواز میں سرگوشی کی تھی۔ سیما نے تڑپ کر انہیں دیکھا۔

"مریم! آؤ تم اندر چلو۔" وہ اسے اٹھا کر اندر لے گئی۔ پھر دونوں ہی واپس نہ آئیں۔

"اے ہے سیما کدھر رہ گئی۔ بلواؤ تو ہم جائیں۔۔۔ اس مہینے کی پچیس تاریخ ٹھیک رہے گی۔ منہ تو میٹھا کرے آ کر۔ کہاں ایسی اتاولی ہو رہی تھی۔ تاریخ پکی کرنے کے لیے۔" بلقیس خالہ کہہ رہی تھیں اور میں سیما کو بلانے کے بہانے اٹھ گیا۔

میرا خیال تھا سیما رات کو ان لوگوں کے بارے میں بات کرے گی اور شاید میری منت سماجت بھی کہ یہ رشتہ کسی بھی طور مریم کے لیے مناسب نہیں۔ تو پھر میں بھی اس کی حمایت کر ہی ڈالوں گا۔ میں لاکھ مریم سے نفرت کے دعوے کروں۔ میرا دل اندر سے ابھی بھی اس کے لیے تڑپ رہا تھا۔

مگر سیما نے تو جیسے چپ کا روزہ رکھ لیا تھا۔ قسم کھالی تھی کہ اس معاملے میں اب ایک لفظ نہ کہے گی۔

ہم دونوں ہی اپنی اپنی اناؤں کے گھوڑوں پر چڑھ بیٹھے تھے نہ میں جھکنا چاہتا تھا نہ وہ نیچے اتر کر بات کرنا چاہ رہی تھی اور ہماری اناؤں کی اس جنگ میں ہماری مریم، ہماری جان سے پیاری بیٹی اپنی جان ہار گئی۔

معلوم نہیں مریم نے یا سیما نے حارث کو فون کر کے بلوایا تھا۔ مریم کا وہی کلاس فیلو جس کے ساتھ میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ اپنے ماں کیساتھ مریم کے کالج نہ آنے کی وجہ معلوم کرنے آیا تھا اور اس کی ماں نے اشارے

کنائے میں اپنی بیٹے کی پسندیدگی کا اظہار بھی کر ڈالا تھا۔

سیما نے جواب میں مجھ سے بات کرنے کا کہا اور جب اس نے مجھ سے بات کی مجھے تو پتنگے ہی لگ گئے۔

"تم نے انہیں بتایا نہیں کہ ہم اس کا رشتہ طے کر چکے ہیں۔"

"دماغ تو نہیں خراب ہو گیا آپ کا، وہ؟ آدمی میری مریم کے جوڑ کا ہے بھی۔ کچھ خدا کا خوف کریں۔" سیما کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا۔

"اس آدمی کا رشتہ بھی تم نے ہی پسند کیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔ "اور جو بات میں تم سے کہتا ہوں۔ تم مانتی نہیں تھیں۔"

"کون سی بات؟" وہ چونکی

"کہ ان دونوں کے بیچ تعلقات کس نہج کے ہیں۔" میرے کہنے پر سیما تاسف بھری نظروں سے مجھے دیکھ کر رہ گئی۔

"اگر ایسا ہے بھی تو کونسا جرم کیا ہے اس نے۔ کسی کو پسند کرنا۔۔۔"

"بس بند کرو۔ میرے سامنے یہ بے حیائی کی باتیں۔۔۔" نہ جانے کیوں میری غیرت کو جیسے کوئی دیا سلائی دیکھا دیتا تھا۔

"تم اس کا رشتہ کہیں بھی کرو۔ مجھے اس بات کی پروا نہیں، اگر تم اس لڑکے سے اس کا رشتہ کرو گی تو میں زندگی بھر کبھی اس کی شکل نہیں دیکھوں گا۔"

میں یہ کہنا نہیں چاہتا تھا نہ میرا ایسا ارادہ تھا مگر شیطان غصے کی شکل میں مجھ پر حاوی ہو چکا تھا۔

"اور اگر امتیاز سے۔۔۔"

"تو شاید میں اسے معاف کر سکوں۔" میں نے کہہ کر منہ پھیر لیا۔

پیچھے مریم کھڑی تھی۔ اتنی زرد جیسے سرسوں کا مرجھایا ہوا پھول ہو۔ اس کے لب بھینچے ہوئے تھے۔ اس نے لبوں سے کچھ کہا بھی نہیں۔ بس عجیب سی

نظروں سے مجھے دیکھتی رہی۔ میں اس سے نظریں چراتا اپنا غصہ دکھاتا باہر نکل آیا۔ ابھی گیٹ تک پہنچا تھا کہ سیما کی چیخوں نے مجھے پلٹنے پر مجبور کر دیا۔

مریم زمین پر اوندھی گری تھی۔

وہ تو کسی پھول کی مانند ہلکی ہو چکی تھی اور اس بے وزن پھول کو میں نے اٹھا کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹایا اور اسی لمحے اسے معاف بھی کر دیا۔

مریم کی زندگی میرے لیے کیا معنی رکھتی ہے۔ اس پینتالیس منٹ کے سفر کے دوران مجھ پر کھلا۔ میں ڈرائیونگ کے دوران مسلسل رو رہا تھا۔ اسے پکار رہا تھا۔

جو میرے آنسوؤں اور میری صداؤں سے بے خبر اسی طرح لب بھینچے سیما کی گود میں سر رکھے گہری نیند سو رہی تھی۔

"سیما! اسے بلاؤ۔ اٹھاؤ۔ اسے بتاؤ، اسے میں نے معاف کر دیا ہے۔ معاف کر دیا ہے میں نے اپنی مومو۔۔ ۔ مریم۔۔۔ مومو۔۔۔ مومی۔۔۔ جانو! بابا بلا رہے ہیں۔ اٹھو آنکھیں کھولو دیکھو میں اب راضی ہوں تم سے خوش۔۔۔ بالکل پہلے کی طرح۔۔۔ سوری بیٹا! میں ناراض تھا تو تم منا لیتیں۔۔۔ پلیز میری طرح ناراض نہیں

ہونا پلیز۔" میں دل ہی دل میں اس کی منتیں کرتا زار و قطار رو رہا تھا۔

مگر وہ ضد میں مجھ پر گئی تھی۔ میرے لاکھ پکارنے پر بھی ذرا سا نہ ہلی۔

"ہارٹ فیل ہوا ہے ان کا۔۔۔ شاید کسی شدید ٹینشن یا دباؤ کی وجہ سے۔" ڈاکٹر نے پہلے چیک اپ میں ہی کہتے ہوئے سفید چادر اس کے زرد چہرے پر کرتے ہوئے آہستگی سے کہا تو ہم دونوں میاں بیوی بے یقینی سے اسے دیکھتے رہ گئے۔

اتنی سی عمر میں بھلا۔۔۔ اتنی کم عمری میں کون ہارٹ فیل سے مر سکتا ہے؟

"ڈاکٹر۔۔۔ ڈاکٹر صاحب میں۔۔۔ سات سال سے ہارٹ پیشنٹ ہوں۔۔۔ مجھے تو۔۔۔ کچھ نہیں ہوا۔۔۔ اور یہ تو ینگ ہے۔ اسے کیسے یہ تکلیف ہو سکتی ہے؟ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ پلیز آپ اچھی طرح چیک کریں۔ دیکھیں تو سہی۔"

میں دروازے تک گئے ڈاکٹر کو کھینچتے ہوئے بولا۔

"اس تکلیف کے لیے عمر کی کوئی حد مقرر نہیں۔۔۔ شاید ان کا دل پہلے سے ہی کمزور ہو۔۔۔ اور کسی اچانک ٹینشن کی وجہ سے یہ سنبھل نہ سکی ہوں تو۔۔۔" اور مجھے لگا جیسے میرے ہاتھ سے کوئی بہت قیمتی کانچ گر کر چکنا چور ہو گیا ہو۔

"آپ کی بچی کا دل کمزور ہے۔ اس کا بہت خیال رکھیں آپ۔ کوئی اچانک خوشی، کوئی بہت گہرا غم یا خوف۔۔۔ اس پر اس انداز میں اثر نہیں کرے گا جیسے عام لوگوں کے دل پر کرتا ہے۔ یہ بہت نازک ہے۔ Handle it carefully کانچ کی چیزوں کی پیکنگ پر جیسے لکھا ہوتا ہے۔" بچپن میں جب رات کو یہ

اندھیرے سے، کسی خوفناک بلا کے تصور سے خوف زدہ ہو کر چلانے لگتی تھی اور اسے کتنے دن بخار رہا تھا تو ہم اسے چلڈرن سائیکاٹرسٹ کے پاس لے گئے تھے اور اس نے ہمیں یہ تاکید کی تھی۔

اور ہم دونوں نے اس قیمتی تاکید کو یوں اپنے دل سے باندھ کر رکھا تھا کہ کبھی اسے تیز آواز میں پکارا تک نہیں کہ کہیں مریم کے کمزور دل کو کچھ نہ ہو جائے۔۔۔اور اب۔۔۔ساری عمر جس قیمتی نازک کانچ کو سنبھال سنبھال کر رکھتے رہے۔اسے خود ہاتھوں سے گرا کر چکنا چور کر دیا۔

مریم کی موت کے بعد جب میں نے اپنے دل میں اس ظالم لمحے کو ٹٹولنے کی کوشش کی تو مجھے حیرانی ہی ہوئی کہ اس منظر میں مجھے کچھ بھی آکورڈ، کچھ بھی ولگر یا حد سے نکلا ہوا محسوس نہیں ہوا جس کی سزا میں نے اپنی بیٹی کو اس کی زندگی چھین کر دی اور خود کو عمر بھر کے پچھتاوے کی آگ میں جھونک کر۔

وہ حارث کیساتھ کتنی خوش تھی۔ایسی خوشی کی چمک تو عمر کے کسی حصے میں، میں نے اس کے چہرے پر نہیں دیکھی تھی تو پھر میں اتنا ظالم کیسے بن گیا تھا؟

کہ اپنے ہی غصے میں اندھا ہو گیا۔اپنے ہی دل کو

اس نام نہاد غیرت کی آگ نے جھونک ڈالا۔

آٹھ مہینوں میں کوئی ایسا دن کوئی ایسا پل نہیں گزرا جب اس آگ کی لپٹوں نے مجھے نہ جھلسایا ہو اور میرا سخت دل جسے ہتھیلی پر سجا سجا کر میں نے سب کو اپنی موت کے ڈراوے دیا کرتا تھا۔وہ ڈھیٹ اسیطرح نہ صرف زندہ تھا بلکہ زندگی کے سب دھندوں کو چلا بھی رہا تھا۔

سیما اعلیٰ ظرف تھی۔اس نے مجھے معاف کر دیا مگر میں خود کو معاف نہیں کر سکا۔

"انکل! چائے۔۔۔" میں ایک جلتے صحرا کو عبور کر آیا تھا جب کوئی میرے پاس آ کر دھیرے سے بولا تھا۔

"میں پہلے بھی چائے لیکر آئی تھی آپ کو دے کر بھی گئی مگر آپ نے پی ہی نہیں اب میں دوبارہ بنا کر لائی ہوں،وہ اندھیرے میں مجھے مریم ہی کی طرح لگ رہی تھی۔

میں نے مسکراتے ہوئے کپ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"انکل! آپ کے پاس بیٹھ جاؤں۔" وہ بولی میں نے سر ہلا دیا وہ آہستہ سے میرے قدموں میں بیٹھ گئی۔

"یہ۔۔۔یہ کیا کر رہی ہو تم؟" مجھے اس سے یہ توقع نہیں تھی۔بدک کر اپنی پیر پیچھے کرتے ہوئے بولا۔

"آنٹی نے مجھے مریم کے بارے میں سب بتا دیا ہے اگر آپ کل شام میرے پیچھے نہ آتے اور میری زندگ، میری آبرو نہ بچاتے تو میں شاید اس وقت تک خود کو تباہ کر چکی ہوتی۔۔۔میرا جرم تو مریم سے بھی بڑا ہے۔۔۔اس نے تو کچھ بھی نہیں کیا تھا۔میں تو گھر کی دہلیز،اپنے ماں باپ کی عزت قدموں تلے روند کر آئی تھی۔۔۔پتا ہے انکل! مجھے اس لڑکے سے کوئی عشق محبت نہیں تھا۔محض ضد میں۔۔۔یونہی ایک روز میری کال اس سے مل گئی۔ماما، پاپا بہت مصروف رہتے۔پاپا آفس میں اور ماما اسکول میں۔بہن بھائیوں کی اپنی ایکٹوٹیز۔میں نے بوریت سے بچنے کے لیے اس لڑکے سے بات کرنا شروع کی اور پھر یہ ہمارا معمول بنتا چلا گیا۔میں ایک دو بار اس سے کالج سے باہر بھی ملی مگر اس کا مجھے پتا نہیں تھا، میرے دل میں کچھ بھی خاص نہیں تھا اس کے لیے۔کہ ایک روز پاپا نے مجھے اس سے ملتے بات کرتے دیکھ لیا انہوں نے گھر آ کر مجھ پر ایسے الزامات لگائے۔۔کہ مجھے لگا میرا دل پھٹ جائے گا اور میں مر جاؤں گی۔

"انکل! ہم دونوں کے بیچ کچھ بھی ایسا نہیں تھا مگر۔۔۔پاپا نے اس بالکل بے ضرر تعلق کو ایسا بنا کر پیش کیا۔ماما

کے آگے، بہن بھائیوں کے سامنے چیخ چیخ کر مجھے بے غیرت بے حیا اور نہ جانے کیا کیا کہا کہ مجھے لگا میں۔۔۔اس تعلق کی ہر حد کو عبور کر چکی ہوں۔ مجھ سے زیادہ خراب اس شہر میں اور کوئی ہے ہی نہیں۔ حالانکہ میں نے قسمیں کھائیں۔ روئی۔۔۔ پاپا کے سامنے ماما کے سامنے۔۔۔ مگر کسی نے میرا یقین نہیں کیا۔ الٹا بہن بھائی کہنے لگے ہاں پاپا! ہم نے خود اسے دیکھا ہے۔ یہ کئی کئی گھنٹوں لڑکوں کیساتھ باتیں کرتی رہتی ہے۔ میرا دل چاہتا کہ زمین پھٹے اور میں اس میں غرق ہو جاؤں۔" وہ رونے لگی۔

"پھر پاپا نے میرے کالج جانے پر پابندی لگا دی۔۔۔ماما نے میرا سیل فون مجھ سے چھین لیا۔ گھر کے فون کو لاک کر دیا اور پاپا نے ماما سے کہہ دیا کہ وہ جلد سے جلدی میرے لیے کوئی بھی قابل قبول۔۔۔ چاہے ان پڑھ، گنجا، لنگڑا، لولا کیسا بھی ہو رشتہ ڈھونڈیں اور مجھے ان کی نظروں کے سامنے سے دفعان کر دیں۔ یہ میرے پاپا تھے جو سب سے زیادہ مجھ سے پیار کرنے کا دعوا کرتے تھے اور میری مام جن کے پاس میرے لیے ٹائم نہیں ہوتا تھا تن دہی سے مجھے گھر سے دفعان کرنے کے لے الٹے سیدھے رشتوں کی تلاش میں لگ گئیں اور اپنے رشتہ داروں میں کسی ادھیڑ عمر شخص کا رشتہ ڈھونڈ ہی لیا جو اوکاڑہ میں رہتے تھے۔ انہیں مجھ سے میری زندگی سے کوئی دلچسپی کوئی پیار نہیں رہا تھا۔ بس وہ مجھے سر سے اتار کر اپنی عزت کو محفوظ کرنے کی فکر میں تھے۔

میں نے اس گھر میں بچپن سے لیکر آج تک ایک فراک سے لیکر گڑیا اور اپنے لباس سے لیکر سبجیکٹ تک اپنی مرضی اور خوشی سے پسند کیے اور میری زندگی بھر کا ساتھی۔ وہ میری پسند تو کیا میرے قابل بھی ڈھونڈنے کے روادار نہیں تھے۔ جب انہیں مجھ سے میری زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی تو میں ان کی نام نہاد عزت غیرت اور ناموس کی فکر کیوں کرتی۔"

میں نے عاصم سے کسی طرح رابطہ کیا۔۔۔اس کی نیت میں پہلے ہی فتور تھا گھر سے بھاگ آنے اور کورٹ میرج کی میری تجویز پر اس کا دل کھل اٹھا۔ اس نے مجھے گھر سے زیور اور روپے بھی چرا لانے کو کہا تھا۔ زیور تو ماما کا لاکر میں ہوتا تھا اور روپے مجھے دس ہزار کے قریب ملے۔ میں وہی لیکر اس کے بتائے ہوئے ریسٹورنٹ میں آ گئی اور اس نے آنے میں گھنٹوں لگا دیے۔

اس دوران اگر پاپا یا کوئی اور مجھے دیکھ لیتا تو یقین جانیے جتنا غصہ، جتنی بغاوت اس وقت میرے دل و دماغ میں تھی میں سرعام ان کی عزت نیلام کرنے سے بھی نہ ہچکچاتی۔ یہ نفرت، غصہ اور انتقام تو میری نگاہوں سے اس وقت ہٹا جب میں نے اس مردود کا اصلی چہرہ دیکھ لیا۔ اور اگر خدا اس وقت آپ کو غیب سے میری مدد کا فرشتہ بنا کر نہ بھیجتا تو۔۔ تو شاید اس وقت میں کسی کو منہ دکھانے کے لائق بھی نہ رہتی۔ میں غصے اور نفرت میں اپنے ماں باپ سے انتقام لینے چلی تھی نہیں جانتی تھی کہ یہ انتقام تو میں خود سے لے رہی ہوں، جس دوزخ میں انہیں دھکیلنا چاہ رہی ہوں، دراصل میں خود کو ہمیشہ کے لیے بھڑکتی آگ میں پھینک رہی ہوں۔۔۔

اس ایک رات نے جو میں نے اپنے گھر کی محفوظ و مامون چھت سے باہر گزاری، اگرچہ کہ آپ کے محبت بھرے محفوظ سائبان تلے مگر وہ بہر حال میرے ماں باپ کی چھت نہیں تھی۔ اس نے مجھے ایسے ایسے اندھیروں سے نکالا ہے جس کا علم شاید مجھے عمر بھی نہیں ہو پاتا۔۔۔

آدمی جب کسی کو انتقام اور نفرت کا نشانہ بناتا ہے تو دراصل وہ خود اپنی ذات کو اپنے ہی انتقام کا نشانہ بناتا ہے اور غصے میں ہمیں کچھ سجھائی نہیں دیتا اور ان خوفناک لمحات کے گزر جانے کے بعد غصے کے شیطانی بادل چھٹتے ہیں تو ہمیں پتا چلا ہے کہ بدلہ تو ہم خود اپنے آپ سے لے رہے تھے۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا انکل!"

وہ میرا گھٹنا ہلا کر بولی تو میں جو دھیان اور انہماک سے اسے سن رہا تھا اسے دیکھنے لگا۔

اس چھوٹی سی لڑکی نے کیسا آئینہ میرے سامنے رکھ دیا تھا۔ میں جو غصے میں اپنی بیٹی کو ہمیشہ کے لیے سزا دینا چاہتا تھا، دراصل وہ سزا میں نے خود کو دی۔۔۔ اس سچائی کا مجھ سے بڑا گواہ اور کون ہو سکتا ہے۔ اندھیرا اہم دونوں کے لیے غنیمت تھا ہم دونوں کی آنکھوں کے بہتے آنسو ہمیں نظر نہیں آ رہے تھے۔

"اور تمہارے ماں باپ۔۔۔ آبگینے! جانتی ہو یا ذرا بھی سوچا ان پر کیا بیتی تمہارے یوں چلے آنے پہ؟"

میں بہت دیر بعد خود پر قابو پا کر بولا۔

"آبگینے۔۔۔! آپ کو میرا نام۔۔۔ آنٹی نے آپ کو میرے بارے مین سب کچھ بتا دیا تھا؟" وہ کچھ حیران سی بولی تو میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر آپ کو میرا نام کیسے پتا چلا؟"

"میں نے خود ہی تمہارا نام رکھ دیا۔۔۔ جس دن سے مریم کا وجود کا قیمتی کانچ میرے ہاتھ سے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ کر ہوا۔ اب میرے دل سے صرف مریم کے لیے نہیں ہر بیٹی کی زندگی آبرومندانہ خوشیوں بھری زندگی کی دعا نکلتی ہے۔" میں رک رک کر کہہ رہا تھا۔

"ایک بات کہوں؟" وہ ذرا دیر بعد جھجک کر بولی۔

"ہاں بولو۔۔۔"

"آپ بہت اچھے ہیں۔۔۔ بالکل۔۔۔ میرے پاپا کی طرح۔ میں آپ کو مریم کی طرح بابا کہہ لوں۔" اس نے اتنے پیارے انداز میں فرمائش کی کہ میرا دل جیسے

اچھل کر سینے کی دیوار سے باہر آنے لگا۔

"میں تمہارا بابا ہی تو ہوں۔۔۔ اور اگر تم مجھے اس نام سے پکارو گی تو میرے دل پر پڑا احساس جرم کا بھاری پتھر کچھ تو ہلکا ہو جائے گا مجھے لگے گا۔ مریم نے مجھے معاف کر دیا۔" میں اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بولا تو اس نے اپنا سر میں گھٹنے پر رکھ دیا۔

"بابا! آپ بھی غلط نہیں تھے اور میرے پاپا بھی۔۔۔ یہ ہم بیٹیاں ہی اپنے منہ زور جذبات کے آگے آپ لوگوں محبت کے بند کو ٹھوکر مار کر آپ کی محبت اور تحفظ کا مذاق اڑاتی ہیں تو یہ سب ہوتا ہے۔"

وہ یقیناً دل کی بری نہیں تھی۔۔۔ یا گزری رات نے اسے اس قدر اچھا بنا دیا تھا۔ پہلے روز کی طرح معصوم۔

جب وہ پیدا ہوئی ہو گی جیسے مریم!

میرے دل سے ہوک سی نکلی۔

"آپ مجھے میرے گھر چھوڑ آئیں گے اگرچہ پتا ہے مجھے بتائیے ماما، پاپا۔۔۔ وہ شاید مجھے قبول نہ کریں۔۔۔ وہ مجھے دھکے دے کر نکال دیں گے۔۔۔ پھر میں کہاں جاؤں گی؟"

"اپنے بابا کے پاس آ جانا۔" میں نے مسکرا کر کہا اور وہ آنے والے لمحات کے خوف سے مسکرا بھی نہ سکی۔

"اگر مریم کے بارے میں مجھے پتا نہ چلتا تو شاید۔۔۔ شاید میں کسی فلاحی ادارے میں تو جانا پسند کرتی مگر ان کے پاس نہیں۔" وہ اندھیرے میں تکتے ہوئے بولی۔

"تو کیا تمہارا بابا کسی فلاحی ادارے میں جانے دیتا۔" میں شفقت سے اسے دیکھا۔ ایک دم سے مجھے اپنے دل کی اجڑی ویران نگری بسی بسی نظر آنے لگی تھی۔ وہ یکدم میرے دل کے پاس آ گئی تھی۔

"بابا! کیا میرے پاپا بھی میرے لیے اس طرح پریشان ہوں گے؟" وہ اب ان کے لیے بے چین ہو رہی تھی۔

"اس سے بھی زیادہ۔ ان کا حال تو بہت ابتر تھا۔ میں تو پھر بھی ضدی تھا۔ کئی دن تک۔۔۔ مگر نیازی۔۔۔ وہ تو خدانخواستہ تمہاری تلاش میں۔ جیسے کوئی مردہ بھٹک رہا ہو، ایسے اس کا حال تھا۔"

"آ۔۔۔ آپ جانتے ہیں میرے پاپا کو؟" اسے جیسے کسی نے ڈنک مارا۔

"ہاں عرفان نیازی۔۔۔ آج پہلی بار میں نے اسے ایسے اجڑے، لٹے پٹے حال میں دیکھا کہ مجھے لگا شاید یہ اپنی ہی قبر سے نکل کر آ رہا ہو۔۔ یہ خدا نے بیٹیاں کیا چیز بنائی ہین۔ ان کی جگہ دل میں کیسی ہوتی ہے؟ کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ دل کی رگوں میں سب سے مضبوط رگ سے جڑی ہوتی ہیں یہ۔۔۔ اس رگ کو کچھ ہو جائے۔۔۔ نہیں نہیں۔ اب تو میری ہر گھڑی میں دعا ہوتی ہے۔۔۔ بیٹیاں عزت و آبرو کی ضامن ہی نہیں۔۔۔ ہمارے ناتواں دلوں کی طاقت بھی ہیں۔۔۔ معلوم نہیں جو شقی القلب۔ میرے جیسے لوگ عزت غیرت کے نام پر اپنے ہاتھوں سے اپنے جگر گوشوں کو مارتے ہوں گے۔ وہ بعد میں خود کیسے زندہ رہتے ہوں گے۔ میرے ہی جیسے ڈھیٹ سخت جان ہوتے ہوں گے۔۔۔ اور مجھے تو اس انمول نعمت کے چھن جانے کے بعد اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوا ہے کہ جو میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بیٹیاں تو رحمت ہیں۔۔۔ یہ تو آبگینے ہیں انہیں ٹھیس نہ لگنے دینا"۔۔۔ اور دیکھو ہماری بد بختی۔ انہیں ٹھوکروں میں روند کر ہم یہ سمجھتے ہیں۔ ہمارے دل کسی بھی ٹھیس سے محفوظ رہیں گے۔ اور جب ہمارے دل ان کی جدائی سے کرلاتے ہیں تو ہماری آنکھیں کھلتی ہیں۔۔۔" میری آواز پھر سے رندھ گئی۔

"کیا بات آج آپ لوگوں نے ادھر ہی بیٹھے رہنا ہے۔ کھانے کا ٹائم ہو رہا ہے۔ حسان آپ کے مہمان کب تک

آئیں گے عمار کو بھوک لگی ہے وہ شور مچائے جا رہا ہے۔" سیما باہر آتے ہوئے تمام لائٹیں جلاتی آئی تھی۔

ہم دونوں نے ہی جلدی سے اپنے چہرے صاف کر لیے۔

"ہاں بس آنے والے ہیں۔ میرا فون لاؤ، میں دیکھتا ہوں ذرا۔" میں نے قدموں میں بیٹھی آبگینے کو دیکھا اور مسکرانے کی کوشش کی۔

اسی وقت مین گیٹ پر کسی گاڑی کی لائٹیں پڑیں۔

آنے والے مہمان متوقع تھے۔

میں ان کے استقبال کو اٹھا جبکہ آبگینے میرے پیچھے چھپ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

عرفان نیازی اور اس کی بیوی کے چہرے ستے ہوئے تھے اور ان پر لکھی یاسیت کی تحریر صاف پڑھی جا سکتی تھی۔

سیما میرے ساتھ ہی آگے بڑھی تھی۔

"یہ عرفان نیازی ہیں اور یہ ان کی مسز۔۔۔ آبگینے کے ماں باپ۔۔۔"

سیما کے لیے یہ تعارف تھوڑا حیران کن تھا کیونکہ وہ عرفان نیازی کو میرے اکاؤنٹس سیکشن کے انچارج کی حیثیت سے جانتی تھی۔ آبگینے کے حوالے سے یہ نیا تعارف تھا۔

وہ جھجک کر آگے بڑھی جبکہ مسز نیازی کا سارا دھیان میرے پیچھے کھڑی آبگینے کی طرف تھا۔

دونوں یک ٹک ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں، پھر ماں نے بیٹی کی طرف بانہیں پھیلا دیں۔ وہ دوڑ کر ان پناہ گیر بانہوں میں سما گئی۔ یہ منظر ہم دونوں ہجر زدہ ماں باپ کی نگاہوں کے لیے کیسا فرحت بخش تھا۔ کوئی اس

گھڑی ہم سے پوچھتا۔

"کاش میری سخت دلی، میری شقاوت اس درجے نہ پہنچی ہوتی تو ایسا فرحت بخش منظر ہماری زندگی کا بھی حصہ ہوتا۔" میں سوچ رہا تھا۔

وہ دونوں رو رہی تھیں۔ عرفان نیازی بھی اس کے سر پر ہاتھ رکھے خود پر ضبط کیے ہوئے تھا جبکہ سیما تو زاروقطار رو رہی تھی۔۔۔ مجھے اس کے آنسوؤں نے ہی عرق عرق کر ڈالا تھا۔

"بابا! ماما! حد ہو گئی بھئی۔ آ بھی جائیں۔ اب تو میری بھوک کی انتہا ہو گئی۔ میں پردیس میں ہی اچھا تھا جو اپنی ذمہ داری پر کم از کم بھوکا تو نہیں رہتا تھا۔" عمار بولتا ہوا آیا اور یہاں کا منظر دیکھ کر بھی ٹھٹک گیا۔

"کیا یہاں کوئی شوٹنگ ہو رہی ہے، کسی ایموشنل سین کی۔" وہ ماں بیٹی کے الگ ہونے کا تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد بولا تو میں آگے بڑھ گیا۔

"دور سے دیکھو صاحبزادے! تو ایسا منظر شوٹنگ ہی لگتا ہے بس دعا کرو ایسی کوئی شوٹنگ دل کے پاس نہ ہو ورنہ بڑی مشکل ہو جاتی ہے۔ ویسے بائی داوے ایک بات پوچھوں؟" میں اسے کندھے سے تھام کر ایک طرف لے گیا۔

"یہ واقعی آپ بھوک سے بے چین ہو کر باہر آئے ہیں یا۔۔۔؟" میں نے شرارت سے آنکھ دبائی تو وہ جھینپ گیا۔

"ہوں۔ گویا میرا اندازہ درست ہے۔" میں نے اسے تھپکی دی۔

"بابا! مجھے تو آپ اس کام میں اچھے خاصے تجربہ کار لگتے ہیں۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"بیٹا جی! آپ کا بابا جان ہوں، چلو۔ اب کھسکو بلکہ ٹھہرو۔ تمہارا تعارف تو بہت ضروری ہے۔" اسے اندر بھیجتے ہوئے مجھے خیال آیا تو مڑ کر عمار کا تعارف عرفان نیازی اور ان کی بیگم سے کرانے لگا۔

"حسان صاحب! آپ کا یہ احسان تو میں عمر بھی نہیں چکا سکوں گا جو آپ نے آج مجھ پر کر دیا ہے۔" عرفان نیازی بھیگی ہوئی آواز میں کہہ کر بے اختیار میرے گلے لگ گیا۔

"چکا سکتے ہو اس احسان کا بدلہ۔" میں نے محبت سے اسے اپنے سے الگ کیا۔

"نہیں چکا سکتا۔" وہ آنکھیں پونچھ کر بولا۔

"میں جو کہتا ہوں، تم چکا سکتے ہو۔" میں نے اصرار کیا۔

"وہ کیسے؟" وہ اب کے کچھ چونکا۔

"اپنا یہ قیمتی موتی، ہمیں دے دو، حساب برابر۔" میں فوراً بولا تو وہ ناسمجھی سے مجھے دیکھنے لگا۔

"حد کرتے ہیں۔ یہیں کھڑے کھڑے سب طے کر لیں گے۔ اندر چل کہ تو بیٹھیں اور سب سے بڑھ کر کھانا ہمارا منتظر ہے۔" سیما نے بروقت مداخلت کی تھی۔

"نہیں۔ بس اب ہم چلتے ہیں۔ پہلے ہی دو دن سے

سارا گھر پریشان ہے۔ ابھی بھی بچے اکیلے ہیں گھر میں۔" مسز نیازی مقابل ہوئیں۔

"آپ آئیں تو سہی۔ بس آپ کا زیادہ ٹائم نہیں لیں گے۔" سیما نے محبت سے ان کا ہاتھ تھام کر کہا تو انہیں اندر آنا ہی پڑا۔

جو کچھ میں اور عمار سوچ رہے تھے یقیناً وہی کچھ سیما بھی سوچ رہی تھی شاید اس لیے بھی اتنے دنوں بعد۔۔

پورے آٹھ مہینوں بعد تو مریم کا کمرہ آباد ہوا تھا۔ اور ہمارے دلوں کو اس کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ ہم اس خوبصورت احساس سے باہر نکلنا نہیں چاہتے تھے۔

اور قدرت نے مجھے اپنے پچھتاوے کا کفارہ ادا کرنے کا موقع دیا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے مجھے نئی زندگی کی نوید سنادی ہو، جیسے کھانے کی میز پر ہمارے ساتھ مریم بھی آموجود ہوئی ہو۔ اتنے دنوں کے بعد وہ ہم سب کے ساتھ تھی۔ مجھے آبگینے کو دیکھتے ہوئے بار بار مجھے خوشی کا احساس ہو رہا تھا۔

اور جب نیازی نے مجھے آبگینے کی تصویر دکھا کر کہا کہ۔

"حسان صاحب ہم نیازی ہوتے اصل پٹھان۔ غیرت کے معاملے میں ہم سے بڑھ کر غیور کوئی نہیں ہوتا جب میں نے اپنی بیٹی کا ایک غیر لڑکے کے ساتھ دیکھا تو میرا خون کھول اٹھا ایسی بے غیرتی۔ ہم تو ایسی عورتوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے ہیں۔"

تو میں جواب میں اس پر چیخ اٹھا تھا۔

"جب عزت، غیرت کے معاملے آتے ہیں تو ہم خان، سید، نیازی بن جاتے ہیں۔ ہماری غیرت، ہماری حرمت ہمارے لہو میں شرارے بھرنے لگتی ہے تو کیا اس لمحے ہمیں ایک پل کے لیے بھی یہ خیال نہیں آتا کہ صرف عورتوں کے معاملے میں ہی یہ حسب نسب ذات شجرے اور لہو کا آتش فشاں کھولنے لگتا ہے جب ہماری ذات برادری کنبے کا کوئی مرد اپنی پسند سے سیل فونز پر باتیں کرتے ہیں۔ نیٹ پر چیٹنگ کرتے ہیں ان کے ساتھ ہوٹلنگ کرتے ہیں۔ شامیں اور راتیں بدنام جگہوں اور اپارٹمنٹس میں گزارتے ہیں۔ کھلم کھلا نشہ کرتے اور اپنے فلرٹس کا اعتراف کرتے ہیں تب ہماری غیرت ہماری مردانگی کہاں سوئی رہتی ہے؟ کیوں ہم

اسے مرد کے لیے سب جائز ہے کہہ کر آنکھیں چرا لیتے ہیں تو جن چیزوں سے ہم اپنے لڑکوں کی طرف سے انکھیں چراتے ہیں۔ وہی کچھ جب دوسروں کے بیٹے ہماری بیٹیوں کیساتھ اس طرح ٹائم پاس کرتے ہیں، ٹیلی فونک رابطے کرتے ہیں یا کہیں ملتے جلتے ہیں تو پھر ہمیں یہ سب دیکھ کر آگ کیوں لگتی ہے۔ ہماری غیرت کیوں ہمیں للکارنے لگتی ہے؟ اگر انصاف سے سوچیں اور سوچنے کی کوشش کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ آگ تو خود ہمارے اپنے گھروں سے نکلتی ہے۔ اس وقت تو ہمیں اس کی تپش محسوس نہیں ہوتی۔ صرف بیٹیوں کے معاملے میں ساری غیرت کیوں؟ بیٹے اس اندھی غیرت سے مبرا کیوں؟"

میں بظاہر نیازی پر چلا رہا تھا اور حقیقتاً خود پر برس رہا تھا۔ نیازی نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تو میں نے بھی بہت کچھ سیکھ لیا تھا مگر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ہم کسی المناک حادثے کا شکار ہونے کے بعد سب کچھ سمجھتے ہیں اور اپنی عقل پہ ماتم کرتے ہوئے پچھتاوؤں کی آگ میں جلتے ہیں۔۔۔

سب کسی بات پر ہنسے تھے اور میں ان کی ہنسی پر چونکا تھا۔ اور ہنسی کی وجہ جانے بغیر خود بھی مسکرانے لگا۔

ختم شد